"حکمت لعلوں سے بھی بہتر ہے اور ساری چیزیں جن کی تمنا کی جاتی ہے اِس کے برابر نہیں ہو سکتیں" امثال ۸:۱۱

دُرِ حکمت

مُصنّف

سادھو سُندر سنگھ سوامی

ناشر

مسیحی مجلسِ ادب

اسمبلیز آف گاڈ لاہور

REALITY AND RELIGION

MEDITATIONS ON GOD, MAN AND NATURE

BY

SADHU SUNDAR SINGH

THE CHRISTIAN LITERATURE SOCIETY

"حکمت لعلوں سے بھی بہتر ہے اور ساری چیزیں جن کی تمنا کی جاتی ہے اس کے برابر نہیں ہو سکتیں" امثال ۸:۱۱

دُرِ حکمت

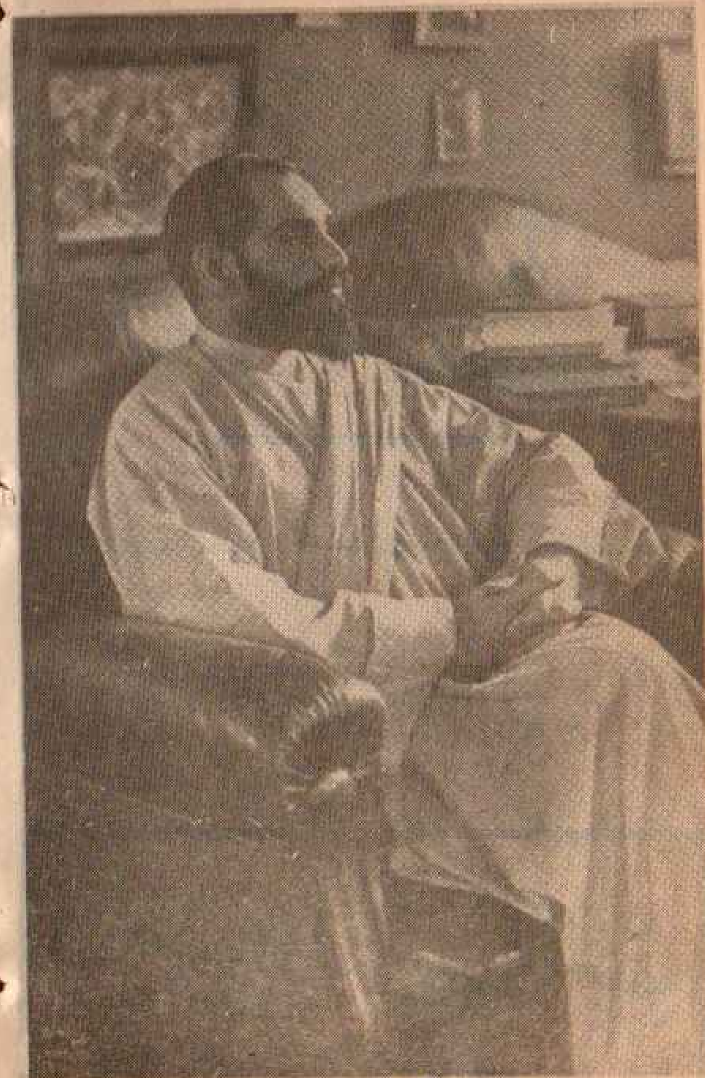
مُصنّف

سادھو سُندر سنگھ سوامی

ناشر

مسیحی مجلسِ ادب

اسمبلیز آف گاڈ لاہور



سادھو سندر سنگھ

تمہید

۱۹۲۹ء میں جب سادھو سُندر سنگھ نے وفات پائی تو اُس وقت تک وہ اپنی آٹھ روحانی کتابیں، بکتبِ مسیح، مذہب اور حقیقت، دُرِ حکمت، رویاتِ عالمِ رُوحانی۔ بغیرِ مسیح اور اُس کے ساتھ، حقیقی زندگی دُرِ حقیقی اور رُوحانی زندگی اُردُو اور انگریزی ہر دو زبانوں میں مکمل کر چکے تھے۔ انگریزی میں اُن کے عنوانات یوں ہیں۔

(1) At the master's feet. (2) Reality & Religion (3) Search after Reality (4) Visions of the Spiritual world. (5) With & without Christ (6) Real life. (7) The Real Pearl. (8) The Spiritual life.

اِن کتابوں کی ہر دلعزیزی کا یہ عالم ہے کہ چالیس زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں اور جن سے روحانی فیضان پانے والے لوگوں کی تعداد ان لوگوں سے ہزار گنا زیادہ ہے۔ جنھوں نے اُن کے جیتے جی اُن کے کلام سے روحانی فیض حاصل کیا تھا۔ مگر برصغیر ہند و پاکستان میں یہ ہر دلعزیزی

آہستہ آہستہ کم ہو گئی ہے۔ اور اُن کی وفات کے بعد اُن کی بعض کتابیں دوبارہ زیورِ اشاعت سے مزین نہ ہو سکیں جنہیں "مسیحی مجلس ادب" سلسلہ وار شائع کر رہی ہے۔ جس کی پہلی کڑی "دُرِ حکمت" ہے جس کا انگریزی ترجمہ Reality and Religion بھی انگریزی خوان دوستوں کے لئے Christian Literatre society کے زیرِ اہتمام شائع کیا جا رہا ہے۔

یہاں مختصراً سادھو سندر سنگھ کی کتب کے عالمگیر حلقہ اثر کا ذکر کر دینا مناسب ہو گا۔

"دُرِ حکمت" مطبوعہ لندن کے پہلے ایڈیشن کا تعارف لکھتے ہوئے آکسفورڈ کے مشہور ماہر الٰہیات کینن بی۔ ایچ سٹریٹر نے لکھا کہ "جب مَیں نے اِس کتاب کے مسودہ کو پڑھا تو جس چیز نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا وہ اِسکے اظہار و بیان کی صفائی ہے۔ اِس میں خدا، انسان اور کائنات کے بارے میں نظریات ایسے انداز میں پیش کئے گئے ہیں کہ ہم میں سے بیشتر کو شاید انہیں تربیت یافتہ ذہنوں تک بھی پہنچاتے میں مشکلات درپیش آئیں۔ مگر سادھو جی نے انہیں ایسے بیان کیا ہے کہ سادہ ترین ذہن بھی انہیں آسانی سے سمجھ لیں گے۔ دریں حالات میں کہہ سکتا ہوں کہ لازماً ایک وسیع حلقہ قارئین اِس کتاب کا خیر مقدم کریں گے۔ اِس میں بعض جملے ایسے بھی ملیں گے جن کا مطالعہ کوئی سائنس دان یا فلسفی تو شاید اپنے مخصوص انداز میں کرے مگر جیسا کہ دیباچہ میں سادھو جی نے ان دونوں میں سے کوئی ایک ہونے کا دعویٰ نہیں کیا

ہے۔ چنانچہ ایک باشعور قاری ان تفصیلات پر اعتراض نہیں کرے گا بلکہ مذہبی بصیرت کی سادگی کو سراہے گا۔ جو کہ کتاب کی رُوح رواں ہے۔" کینن سٹریٹر اور اے۔ جے آپاسامی دونوں نے باہم مل کر سندر سنگھ کی سوانح حیات انگریزی میں بعنوان "The Sadhu" لکھی ہے جسے پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے کیسی گہرائی اور محنت سے سادھو سندر سنگھ کی زندگی اور تعلیمات کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کیا ہے۔ پروفیسر ہیلر کی کتاب "سندر سنگھ کی انجیل" ۱۹۲۴ء میں جو جرمن زبان میں لکھی گئی اور جس کا ۱۹۲۷ء میں اولیو ویوین نے انگریزی ترجمہ پیش کیا۔ ہیلر کی یہ کتاب سندر سنگھ کی تھیالوجی کا شاندار مطالعہ ہے۔ جس کی چالیس ہزار سے زائد جلدیں بک چکی ہیں۔ جیسا کہ بہت سے دیگر تھیالوجیکل موضوعات کے بارے میں سچ ہے۔ سندر سنگھ کی تخلیقی شخصیت کی پہچان بھی ہمیں بذریعہ انگریزی اور جرمن زبانوں کے ہو سکتی ہے۔ پروفیسر ہیلر کے پاس سندر سنگھ کے فرق فرق ممالک میں مختلف زبانوں میں دیئے گئے وعظ و خطبات کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود تھا کہ کسی اور کے پاس شاید ہی ہو۔ اس نے ان سب کا مطالعہ ایک صاحبِ علم عمیق ذہن اور گہرے مذہبی تجربہ کی رُوح میں کیا تھا۔ اور مسیحی صوفیاء اور مقدسین کے درمیان سندر سنگھ کے مقام کا تعین کرتے وقت نہایت اہم خیالات کا اظہار کیا ہے جو ایک قاری کے لئے انتہائی گہری تحریک کا جذبہ لئے ہوئے ہیں۔ ۲۸ اپریل ۱۹۶۷ء میں جب ہیلر کا وصال ہوا تو سندر سنگھ کا ایک مخلص دوست اور اہم نقاد اپنے دوستوں

کو غم کی اتھاہ گہرائیوں میں روتا چھوڑ گیا۔

ڈاکٹر فریسو ملرز نے جو کہ اُس عہد کے ہندوستان میں بال مشن Basel Mission کے سابقہ مشنری تھے، مسیحی کلیسیا کی یوں اہم خدمت انجام دی کہ سندر سنگھ کی بشارتی کتابوں میں سے چھ کا ترجمہ جرمن زبان میں کیا اور اُن کے مختصر مگر نہایت اعلےٰ مجلد ایڈیشن شایع کئے۔ اور ہر ایک کتاب کا الگ دیباچہ لکھا جس میں ہندوستانی فلسفہ مذہب سے متعلق اہم اور مشکل نکات پر بڑے عالمانہ انداز میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ اِس ضخیم کتاب کی دس ہزار سے زیادہ جلدیں بک چکی ہیں۔

جرمنی کے ناشرین مہر آسیج سندر سنگھ کی تعلیمات کو پھیلانے کیلئے کافی کچھ کر رہے ہیں۔ انہوں نے جرمن زبان میں بہ عنوان "سادھو" ایک بہت بڑی کتاب کا ایڈیشن شائع کیا ہے جو چند سالوں سے بالکل نایاب ہو چکی تھی۔ وہ مسلسل کئی لوگوں سے پوچھتے رہتے تھے کہ یہ کتاب کہاں سے مل سکتی ہے۔ اب انہیں جرمن ناشرین نے اس کتاب کے جرمن ایڈیشن کی ۴۸ ہزار جلدیں شائع کی ہیں۔ "رویاتِ عالم رُوحانی" کا جرمن ایڈیشن شائع کیا ہے جو یہ کتاب انگریزی دان طبقہ کی توجہ کا بھی مرکز رہی ہے۔ "حیات مابعد الموت" بذات خود دائمی دلچسپی کا موضوع ہے اور اِس موضوع کے بارے میں سندر سنگھ کے نظریات کو پڑھنے کے لئے بے شمار لوگ شائق رہتے ہیں۔

پروفیسر پادری رابرٹ ایف رائس، استاد مذہب و مشن، اورل رابرٹ یونیورسٹی ٹلسا، اوکلاہامہ امریکہ نومبر ۱۹۶۶ء کے اپنے ایک مکتوب بنام اے۔ جے آپا سامی لکھتے ہیں کہ مَیں جانتا ہوں کہ آج بھی سندر سنگھ اسی سرگرمی سے مصروفِ بشارت ہے جیسا کہ کئی سال پیشتر تھا۔ مَیں زیادہ بھی کہہ سکتا ہوں، مگر صرف اسی پر اکتفا کروں گا کہ مَیں رسولوں کے علاوہ کسی اور کو نہیں جانتا جس نے یسوع مسیح کی کم از کم میرے ذہن میں بہتر تصویر کھینچی ہو۔ ۱۹۶۶ء میں پادری آر۔ ایچ۔ ایس بوائیڈ کو جو احمد آباد کے گجرات یونائیٹڈ سکول آف تھیالوجی" میں پڑھاتے ہیں۔ ایڈنبرا یونیورسٹی نے ہندوستانی کلیسیا میں ڈاگمیٹک تھیالوجی پر تھیسس پیش کرنے پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے نوازا ہے۔ جس میں مصنف موصوف نے زمانہ حال میں ہندوستانی تھیالوجینز کی تمام تر تحریرات کا ایک جامع جائزہ پیش کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جہاں تک کہ فنی اصطلاح ماہر علم الٰہیات کے حقیقی معنوں کا تعلق سندر سنگھ تھیالوجین نہ تھے۔ لاہور کے سینٹ جانز ڈیوینیٹی سکول کو یہ شرف حاصل ہے کہ سندر سنگھ نے وہاں تھیالوجی کے ابتدائی کورس میں داخلہ لیا مگر اُسے مکمل کئے بغیر خیر آباد کہہ دیا۔

سندر سنگھ کو یقین واثق تھا کہ تھیالوجی کے کئی سالوں کے مطالعہ کے مقابلے میں خوشی اور وجد کی حالت میں ایک لمحہ میں خدا کی حقیقت کو بہتر طور پر پا سکتا تھا۔ اس کے اندر یقینی طور پر ایک گہری رُوحانی بصیرت تھی جو کہ ہماری کلیسیاء کے لئے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ مَیں

ڈاکٹر بوائیڈ کی اِس رائے سے کلی طور پر متفق ہوں۔ آئندہ سالوں میں ہمارے ماہرین علم الٰہیات ان کی تصنیفات کا انتہائی سنجیدہ مطالعہ کریں گے۔ اور یہ مطالعہ ان کے لئے نہایت ہی بابرکت ثابت ہوگا۔ آمین۔



Rev. Dr. E. M. Wherry,
Sundar Singhs geistiger Vater

سادھو سُندر سنگھ کا سوانحی خاکہ

اپریل سنہ ۱۹۰۴ء کی بات ہے کہ سیالکوٹ میں مشنری صاحبان اور دیسی پاسبان دعا کے لئے جمع ہوئے۔ انہیں مسیحی کلیسیا کی روحانی ترقی کا فکر لاحق ہوا تھا۔ دوسری طرف ویلز سے رُوحانی بیداری کی خبروں سے انکی بہت حوصلہ افزائی ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہم اپنی جگہ سے نہ ہلیں گے جب تک کہ خدا ہم پر ظاہر نہ کرے کہ ہمیں پنجاب میں حالات سے کیسے دوچار ہونا ہے۔ انہیں عبادتوں کے دوران پنجاب دعائیہ یونین معرض وجود میں آئی جو اس کے ممبر بنے انہوں نے عہد باندھا کہ ہم روزانہ کم از کم نصف گھنٹہ تو ضرور روحانی بیداری کے لئے دُعا میں صرف کیا کریں گے۔

ابھی سال ختم نہیں ہوا تھا کہ ۱۸ دسمبر سنہ ۱۹۰۴ء میں مسیح خداوند نے ایک رویا میں ایک پندرہ سالہ سکھ لڑکے کو اپنا دیدار بخشا جسکا نام سندر سنگھ تھا۔ جس کی پیدائش ۳ ستمبر سنہ ۱۸۸۹ء بمقام رام پور ریاست پٹیالہ پنجاب میں ہوئی۔ خداوند یسوع مسیح کا دیدار پالینا کے بعد سنہ ۱۹۰۵ء میں شملہ میں انہوں نے بپتسمہ لیا۔ اور اسی سال سادھو بن کر منادی شروع کر دی۔ پہلے برصغیر پاک و ہند میں اور بعد ازاں سنہ ۱۹۱۹ء میں برما، ملایا، چین، جاپان اور سنہ ۱۹۲۰ء میں پہلی بار برطانیہ، امریکہ اور آسٹریلیا میں منادی کی اور سنہ ۱۹۲۲ء

میں یورپ کا دوسری بار بشارتی سفر کیا۔ یورپ کے اِس دورے کے بعد وہ صحت کی خرابی کے باعث پہلے کی طرح گھوم پھر کر منادی نہ کر سکتے تھے۔ لہٰذا اب اُن کی خدمت نے ایک نئی کروٹ لی یعنی تقریر کی بجائے تحریر سے بشارت دینے لگے۔ اسی طرح خدمت کا ایک نیا راستہ کھل گیا کہ اخباروں اور رسالوں کے ایڈیٹر صاحبان مضامین کے لئے درخواستیں بھیجنے لگے۔ اُنکے دوست جنہوں نے انہیں بنفسِ نفیس دیکھا ہے اُن کے ایک اکثر دُہرائے جانے والا جملہ سناتے ہیں کہ "میرا کام منادی کرنا ہے" یعنی وہ اپنا سارا وقت صرف اسی کام میں لگانے کے قائل تھے۔



Mrs. Rebecca Parker,
Sundar Singhs Biographin.

سوانح عمریاں

یورپ کے تین علماء نے سندر سنگھ کی تھیالوجی کو بڑی سنجیدگی سے لیا۔ یہ تین علماء کینن بی۔ ایچ سٹریٹر، ڈاکٹر ناتھن سوڈر بلوم (جو کہ اُپسلہ کے آرچ بشپ تھے) اور جرمنی کے پروفیسر فریڈرک ہیلر تھے۔ کینن بی۔ ایچ سٹریٹر آکسفورڈ کے نہایت معزز ماہر علم الٰہیات تھے۔ جنہوں نے ڈاکٹر اے۔ جے آپا سامی کے ساتھ مل کر سندر سنگھ کی نہایت جامع سوانح بعنوان "سادھو" لکھی۔ جو ۱۹۲۱ء میں انگلستان میں شائع ہوئی۔ جس کے تقریباً دس ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ اور بہت ساری زبانوں میں ترجمہ بھی ہو چکی ہے۔

سندر سنگھ آرچ بشپ سوڈر بلوم کے محل میں ۱۹۲۲ء میں دس روز تک ان کے مہمان رہے۔ آرچ بشپ کا مسیحی مذہب پر مطالعہ نہایت گہرا تھا۔ اور ساتھ ہی دنیا کے دیگر مذاہب کا مطالعہ بھی بڑی عمیق نظروں سے کیا تھا۔ چنانچہ اسی لئے وہ ہندو پس منظر کے ساتھ سادھو سندر سنگھ کی ترجمانی نہایت کامیابی سے کر سکتے ہیں۔ انہوں نے سندر سنگھ کے بارے میں ایک کتاب سویڈیش زبان میں بھی لکھی ہے، جس کا عنوان "Sunder Singh's Budskap" ہے۔ اور یہ کتاب اِس قابل ہے کہ اُسے اردو کا جامہ پہنایا جائے۔

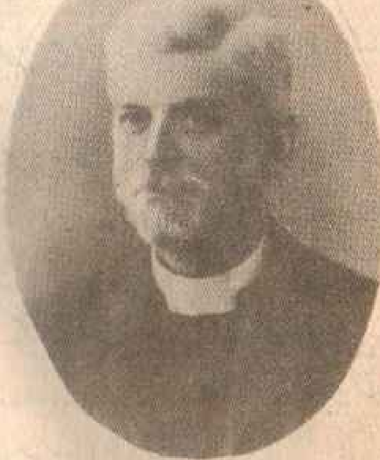
پروفیسر ڈاکٹر ہیلر نے جو کہ ماربرگ یونیورسٹی میں "تاریخ مذاہب"



SUNDAR SINGH'S FIRST SUNDAY SCHOOL IN TIBET

کے استاد ہیں۔ ۱۹۲۳ء میں جرمن زبان میں ایک کتاب لکھی جو کہ سادھو سندر سنگھ کی باطنی
زندگی اور مسیحی تھیالوجی پر نہایت مکمل کتاب ہے اور جس کا عنوان ہے:
Sadhu Sunder Singh. Ein Apostle des
Ostens and westens. اس کا جرمن ایڈیشن بہت چلا
۱۵۰۰۰ جلدیں فروخت ہو چکی ہیں

ناشرین



Rev. Josef Redman,
der Sundar Singh getauft hat.

فہرستِ مضامین

دیباچہ

میں نے اِس چھوٹی کتاب میں اپنے غور و فکر اور دھیان کے نتائج پیش کئے ہیں۔ واضح ہو کہ میں نہ تو فلاسفر ہوں اور نہ ہی عالمِ الٰہیات۔ مگر ایک ادنےٰ اور ناچیز خادم ہوں۔ جس کو اپنے خالق اور پروردگار کی محبت اور پروردگاری پر دھیان کرنے اور سوچنے میں ایک عجیب راحت اور تسکین ملتی ہے۔ کیونکہ کتابِ فطرت کے مطالعہ میں وہ تعلیم حاصل ہوتی ہے۔ جو کسی اور صورت سے نہیں ہو سکتی۔ ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

یہ ناممکن بلکہ محال ہے کہ جو کچھ انسان گوشۂ تنہائی میں بوقت دُعا اور دھیان بذریعہ حواسِ باطنی محسوس اور معلوم کرتا ہے۔ وہ سب قلمبند کر سکے۔ الفاظ اُن اسرار کی اصلیت کو بیان کرنے کے لئے ہرگز کافی نہیں ہیں۔ بہ نسبت الفاظ کے بذریعہ قوتِ خیال ایک دوسرے پر اُن کا ظاہر کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے بشرطیکہ عامل معمول دو نو اس درجہ تک بیدار مغز ہوں کہ اُن لطیف اثرات کو محسوس اور معلوم کر سکیں۔ اور اگر اُن حقائق کے مطالب کو الفاظ میں ادا کرنے کی کوشش کی بھی جائے۔ تو اصل مطلب کا اظہار کم اور غلط فہمی

کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن اب کریں کیا؟ کچھ کہا نہیں جاتا اور بغیر کہے رہا بھی نہیں جاتا۔ خیر اگر پورا مطلب نہیں تو ادھورا ہی سہی۔ کچھ تو پتے پڑے گا بہر حال نہ ہونے سے بہتر ہے۔ چونکہ قلم بیان کرنے میں قاصر ہے۔ لہٰذا وہ سب جو میں تحریر کیا چاہتا ہوں نہیں کر سکتا۔ فی الحال چند ایک مضامین مختصر طور پر اہل فکر اصحاب کی خدمت میں نذر کئے جاتے ہیں۔ اس اُمید سے کہ ناظرین الفاظ اور عبارت ترتیب اور تجویز کا خیال چھوڑ کر اصل مطلب کی طرف توجہ فرما کر فائدہ اُٹھائیں گے اور اگر یہ مقصد بر آیا۔ تو آئندہ کوشش کی جائیگی۔ کہ باقی اہم مضامین کو بھی ہدیہ ناظرین کروں ٭

سبا تھو۔ ستمبر سنہ ۱۹۲۳ء — فقیر حقیر۔ سندر سنگھ

۱۔ ابتدا اور خلقت

"ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔۔۔۔ ساری چیزیں اس کے وسیلے سے پیدا ہوئیں۔ اور جو کچھ پیدا ہوا ہے اس میں سے کوئی چیز بھی اس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی" یوحنا ۱:۱ و ۳ ٭

کل کائنات کی ابتدا اور پیدائش سے پیشتر ازلی کلام (لوگاس) موجود تھا جس نے کہ تمام بے جان اور جاندار مخلوقات کو خلق کیا۔ بے جان اشیاء کا از خود موجود ہونا ناممکن اور جاندار کا بے جان مادہ سے پیدا ہونا محال ہے زندگی صرف زندگی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور کل زندگی کا سرچشمہ قادر مطلق خدا ہے جس نے اپنے کلام سے نیست کو ہست کیا اور بے جان کو زندگی بخشی۔ اور آدم میں غیر فانی زندگی کا دم پھونک کر اس کو "جیتی جان" کیا اور "اپنی مانند اور صورت پر پیدا" کر کے اشرف المخلوقات کا شرف بخشا ٭

۱۔ مخلوقات کے پیدا کرنے سے خالق کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی ذات میں کوئی کمی ہے جو اس سے پوری ہو جائیگی۔ کیونکہ وہ اپنی ذات میں کامل اور واجب الوجود ہے۔ لیکن خلق کرنا اس کی قدرت کا اور زندگی بخشنا سرچشمہ زندگی کی ذات کا خاصہ ہے۔ اور انسان کو اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں سے خوش کرنا اور اپنی حیات بخش صحبت سے مسرور اور محظوظ کرنا اس کی محبت کا خاصہ ہے۔ اور اگر انسان اس خوشی اور وصل الٰہی کے حظ اور سرور اور دائمی اطمینان سے محروم رہتا ہے تو یہ اس کی اپنی جہالت اور سرکشی کا نتیجہ ہے ٭

۲۔ مخلوقات کی اقسام دیدنی اور نادیدنی عالم میں بے شمار ہیں۔ اور خلائی

بے شمار صفات اور خوبیوں کا اظہار بذریعہ اپنے کلام اور بے شمار مخلوقات کے کرتا ہے۔ ہر ایک ادنےٰ اور اعلےٰ مخلوق اپنے میں اُس کی خوبی یا اُس کے مختلف پہلو کو ظاہر کرتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ گنہگاروں کے وسیلے سے بھی اپنی محبت کو یوں ظاہر فرماتا ہے کہ باوجود اِن کی نافرمانی اور سرکشی کے ان کو ہلاک نہیں ہونے دیتا بلکہ زندگی بحال کرنے کے سامان مہیا کرتا اور سدھرنے کا موقع دیتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ فرشتگان اور مقدسین ہی کو پیار کرتا تو یہ اُس کی محبت اور ذات کے خلاف ہوتا۔ خدا گنہگار سے نہیں۔ مگر اُس کے گناہوں سے نفرت ہے ✚

۲- کلامِ مجسّم

۱- جس طرح بچہ شروع میں لفظ "خدا" "کلام" وغیرہ کو محض لفظ سمجھ کر ہی پڑھتا اور یاد کرتا ہے۔ مگر بڑا ہو کر اس کے معنے پر غور کرتا ہے۔ اس طرح علم الٰہی میں مبتدی خواہ دنیاوی علوم میں کیسا ہی ماہر ہو۔ وہ کلام مجسم یعنے مسیح کو اگر ایک معمولی شخص نہیں تو ایک نبی سے بڑھکر نہیں سمجھتا۔ مگر جوں جوں روحانی زندگی میں بڑھتا اور ترقی کرتا ہے۔ اور رفاقت الٰہی سے محظوظ ہوتا ہے۔ وہ تجربہ سے معلوم کرتا ہے کہ مسیح خدا مجسم ہے جس میں رو حکمت اور معرفت کے خزانے چھپے ہیں "اُس میں زندگی ہے اور وہ زندگی انسان کا نور" ہے ✚

۲- انسان کے لئے یہ ناممکن ہے کہ اپنے تمام خیالات و جذبات کا اظہار الفاظ میں کرے خواہ وہ کیسے ہی نئے الفاظ مطلب کو ادا کرنے کے لئے وضع کرے اور بہت سی تمثیلیں اور نظیریں کام میں لاوے۔ اور نہ ہی جسم رُوح کی

تمام قابلیت اور قوا کو پورے طور پر ظاہر کرنے کے قابل ہے۔ گویا انسان کی ہستی کا ایک بڑا اور خاص حِصّہ پوشیدہ ہی رہتا ہے۔ اس دُنیا میں رُوحانی زندگی کا صرف ذرہ سا پہلو ظہور پاتا ہے۔ یہ رُوحانی ہستی پورا ظہور صرف رُوحانی عالم میں ہی پائے گی جہاں کہ تمام حالات موافق اور ترقی کے لئے سب سامان حسب ضرورت میسّر ہونگے ✚

اب غور کیجئے کہ جب ایک مخلوق یعنے رُوح انسانی بھی اس بدن میں پورا ظہور نہیں پا سکتی تو "کلام" ازلی کا تو پورے طور پر ظاہر ہونا بالکل ہی محال ہے۔ اس کی الوہیّت کا ظہور جسم میں صرف اتنا ہی ہوا جتنا کہ ممکن تھا اور بنی آدم کی نجات کے لئے ضرور تھا۔ مگر اس کا اصلی جلال صرف آسمان میں ہی یعنی روحانی عالم میں ظہور پاتا ہے ✚

۳- اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہم بغیر دیکھے اس کے حق ہونے کا کیونکر یقین کریں؟ واضح ہو کہ ماننے کے لئے یہ ضروری بات نہیں ہے کہ ہم اس کی پوری حقیقت دیکھکر ہی ایمان لائیں۔ وہ اعضا جن پر ہماری زندگی موقوف ہے عمر بھر پوشیدہ ہی رہتے ہیں مثلاً آج تک کبھی کسی نے اپنے دل و دماغ کو نہیں دیکھا تو بھی ان کی ہستی کا انکار نہیں ہو سکتا۔ کیا یہ ایک حیرت انگیز بات نہیں کہ آپ نے اپنے ہی دل کو جو تمام بدن میں خون پہنچاتا ہے اور دماغ جس سے ہمیشہ سوچتے ہیں اپنی آنکھ سے کبھی نہیں دیکھا اور نہ ہی دیکھنے کی کوئی امید ہے۔ تو پھر دل و دماغ کے خالق اور اپنی زندگی کے سرچشمہ کو ان آنکھوں سے کیسے دیکھ سکتے ہیں ✚

۳- دُعا اور دھیان

۱- بعض پودے ایسے ہیں کہ آفتاب غروب ہوتے ہی اپنے پتے اور پھول کی پنکھڑیوں کو بند کر لیتے ہیں اور جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو پھر کھل جاتے ہیں۔ اور یوں زندگی کی بحالیت کے لئے ضروری نشوونما حاصل کرتے ہیں اور تاریکی کے بعض خطرات و اثرات سے محفوظ رہتے ہیں پس یہی حالت دُعا اور دھیان کی ہے جس میں ہمارا دل تاریکی اور بدی کے لئے بند اور آفتاب صداقت کی شعاعوں کے سامنے کھلا رہتا ہے اور ہم ہر طرح کے خطرات اور مہلک اثرات سے بچکر حیات اَبدی اور حقیقی اطمینان حاصل کرتے ہیں ✦

۲- بذریعہ دُعا خدا کا ارادہ تبدیل نہیں ہو سکتا جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں لیکن مرد دعا تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور جو خوبیاں اور قوا اور روحانی نامکمل زندگی میں پوشیدہ رہتی ہیں وہ رفتہ رفتہ تکمیل کو پہنچتی ہیں۔ مثلاً پرند انڈے کو سیتے ہیں۔ اور گرمی پا کر تخلیق مادہ میں چند عرصہ کے بعد ایسی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے کہ بچہ اپنی ماں کی مانند اور صورت پر بن کر چھلکے سے آزاد ہو کے کھلی ہوا میں پرواز کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اب سوچئے کہ تبدیلی پرند یا ماں میں نہیں ہوئی۔ مگر انڈے یا بچے میں جو کہ اپنی ماں کی مانند بن گیا۔ بس ایسا ہی نتیجہ حقیقی دعا اور دھیان کا ہے۔ کہ رُوح القدس ایسی حالت میں ایماندار کے دل اور زندگی میں مؤثر ہو کر اُسے کامل انسان اور مسیح کی مانند بنا دیتی ہے ✦

۳- کشش زمین ہر ایک چیز کو نیچے اپنی طرف کھینچتی ہے۔ سوائے دھوئیں اور

بخارات کے جو کہ گرمی پا کر اوپر کو اُٹھتے ہیں۔ اور بادل بن کر بارش کی صورت میں برس کر زمین کو شاداب اور سرسبز کرتے ہیں۔ اسی طرح مراقبہ کی حالت میں ہمارے خیالات اور دُعائیں رُوح القدس کی آگ سے گرمی پا کر خدا کے حضور پہنچکر دُنیا میں برکت کی صورت میں برستے ہیں ✦

۴- سٹینوفورس (Ctenophores) ایک نہایت ہی نازک سمندری جانور ہے۔ اگر ایک زور کی لہر یا طوفان چلے تو وہ پاش پاش ہو جائے۔ اس لئے جب وہ ذرہ بھی طوفان کے آثار دیکھتا ہے تو فوراً غوطہ مار کر سمندر کی تہیں جا پہنچتا ہے۔ جہاں کہ دائمی امن ہے اور کبھی طوفان نہیں آتا۔ اور جبتک لہریں موقوف نہ ہو جائیں اوپر نہیں آتا۔ اسی طرح مرد دعا جب شیطان کا ہلاک کرنے والا حملہ اور دُنیا کے گناہ اور ظلم کی موجیں اُٹھتی دیکھتا ہے تو فوراً غوطہ مار کر محبت کے سمندر (خدا) میں جا پہنچتا ہے جہاں پر دائمی آرام اور سلامتی ہے ✦

۵- دماغ ایک نہایت لطیف ذی حس اوزار ہے۔ جس میں کئی ایک ایسے لطیف احساس موجود ہیں جو تنہائی میں دھیان کرتے وقت نادیدنی اور روحانی عالم سے پیغام حاصل کرتے رہتے ہیں اور ایسے اعلےٰ اور اچھوتے خیالات پیدا ہوتے ہیں کہ جن کا پیدا ہونا اس دیدنی عالم کی طرف سے ناممکن ہے۔ بعض کو یہ علم خواب اور رویا میں بھی حاصل ہوتے ہیں۔ کیونکہ اصلی دُعا کی حالت میں رُوح کے اندرونی ذی حس حصہ پر جو ضمیر کہلاتا ہے براہِ راست خدا کی طرف سے روشنی پڑتی ہے۔ اور نادیدنی عالم کے مختلف خوبصورت رنگ۔ علم و ہنر موسیقی وغیرہ عجائبات کی جھلک نامعلوم طور سے دماغ کے اندرونی حصوں پر پڑتی اور رُوح اُن سے متاثر ہو کر خوش ہوتی ہے ✦

۶- بعض دفعہ کسی نئی جگہ یا چیز کو دیکھکر دفعتہً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ گویا

اس سے کوئی لگاؤ یا تعلق ہے جس کی وجہ معلوم نہیں۔ اس کی تین وجوہات ہیں اوّل یہ کہ اِس جگہ کی بابت کوئی دوسرا شخص بھی سوچ رہا تھا۔ اور ایک دوسرے کے خیالات نے اس موقعہ پر کشش کی۔ دوئم پیشتر کسی وقت کوئی شے یا جگہ اس کی مانند دیکھی ہوگی۔ جس کی مشابہت سے یادداشت تازہ ہو کر نئی صورت میں ظاہر ہوئی۔ سوئم یہ کہ رُوحانی عالم کی جھلک یا چمک ہمارے خیالات پر پڑی۔ کیونکہ رُوح کا تعلق رُوحانی عالم سے ہے اور اکثر نامعلوم طور پر اس سے متاثر ہوتی ہے۔ اور جسم کا تعلق اس مادی عالم سے ہے جو کہ رُوحانی عالم کی نقل یعنے اُس کا مادی صورت میں ظہور اور عکس ہے۔ اور اُن کی مشابہت سے خیالات اثر پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ جب کافی وقت دُعا اور دھیان میں صرف کرتے ہیں تو یہ باتیں زیادہ صاف ہو جاتی ہیں ✦

۷۔ مراقبہ کی حالت میں انسان کی اصلی حالت اس پر منکشف ہو جاتی ہے اور اس حالت میں گویا ہم خدا کو موقعہ دیتے ہیں کہ ہماری رُوح سے مخاطب ہو اور ہمیں رُوحانی برکات سے مالا مال کر دے ✦

انسان کی انانیت یا رُوح کے اندرونی حصے میں ہر دو عالم سے پیغام ملتے رہتے ہیں۔ اور عوام ان سے بالکل ناآشنا اور بے بہرہ ہیں۔ اور جو کچھ خیال۔ قول اور فعل میں سرزد ہوتا ہے وہ سب نہیں جاتا۔ بلکہ ہماری شخصیت میں لوحِ محفوظ پر نقش رہتا ہے اور یہ گویا کتابِ حیات ہے۔ لہٰذا جو کچھ ہم کرتے ہیں ہوشیاری اور خبرداری سے خدا کے خوف اور محبت میں ہو کر کریں۔ کیونکہ آئندہ سزا اور جزا اسی پر موقوف ہے ✦

۸۔ ایک فیلسوف ایک صوفی کو ملنے گیا۔ بہت دیر تک خاموش بیٹھے رہے ایک دوسرے سے بالکل ہمکلام نہ ہوئے۔ اور جدا ہوتے وقت صوفی نے کہا

کہ "وہ سب جو تم محض سوچتے ہو میں اسے محسوس کرتا ہوں" فیلسوف نے جواب میں کہا کہ "جو کچھ تم محسوس کر رہے ہو۔ میں تو اُس کا خیال بھی نہیں کر سکتا" مطلب یہ ہے کہ وہ میری سمجھ سے باہر ہے۔ یہ ہے حقیقت کا احساس جو کہ دنیاوی حکمت و فلسفہ سے نہیں۔ مگر صرف بذریعہ دُعا و دھیان کے وصلِ الٰہی سے حاصل ہوتا ہے ✦

۹۔ جو عجیب اطمینان مرد دعا محسوس کرتے ہیں۔ وہ صرف ان کے اپنے خیالات کا اثر نہیں۔ مگر خدا کی حضوری کی بھرپوری کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ چھوٹے تالاب کے بخارات اس قابل نہیں کہ بڑے بادل بن کر ایسے برسیں کہ خشک زمین کو سیراب کر دیں۔ لیکن کثرت کی بارش صرف سمندری بادلوں سے حاصل ہوتی ہے۔ جس سے پیاسی زمین کی پیاس بجھتی ہے۔ اور شاداب ہو کر طرح طرح کے پھول اور پھل پیدا کرتی ہے ✦

۱۰۔ دُعا اور دھیان کی حالت میں انسان اپنی رُوحانی ترقی اور حالت کے مطابق حقیقت کو اس کی حقیقی صورت میں دیکھتا ہے جو کسی اور حالت میں ممکن نہیں۔ کیونکہ اگرچہ خلق کرنے والی زندہ حقیقت لامحدود ہے۔ مگر مخلوق رُوح کا وہ احساس جو حقیقت کی حضوری و موجودگی کو محسوس کرتا ہے شخصیت میں موجود ہے۔ جیسا کہ سمندر کا پانی ہزاروں میل تک پھیلا ہوا ہے کہ جہاں تک آنکھ کی رسائی نہیں ہو سکتی لیکن ذرہ سی زبان میں قوتِ ذائقہ جو کہ وسیع سمندر کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ چکھ کر اس کے کھارے پن کو فوراً معلوم کر لیتی ہے ✦

۱۱۔ سورج ہمیشہ دنیا کے کسی نہ کسی حصے میں دوپہر کی طرح چمکتا ہے۔ صبح شام اور رات وغیرہ انقلاب صرف زمین کی گردش کے تابع ہیں۔ اسی طرح آفتابِ صداقت آج کل اور ابد تک یکساں ہے۔ مگر انقلاب اور تبدیلات زندگی ہماری

اپنی ہی حالت اور روش کے سبب سے ہیں۔ اور وہ ہمیشہ اپنی صحت بخش کرنوں سے ہمارے گناہوں کے زخموں کو چنگا کرنے کے لئے تیار ہے۔ بشرطیکہ ہم تائب ہو کر فروتنی سے اپنے دلوں کو اُس کے سامنے کھلا رکھیں۔ اور صحتِ کامل حاصل کر کے ہمیشہ اس کی حضوری میں خوشیاں منائیں۔

۱۲۔ قوانین فطرت ہر طبقہ میں خدا کے مقرر کردہ اوزار یا وسائل ہیں جن کے ذریعہ سے وہ رُوح انسانی ہیں اور دیگر مخلوقات کی بہتری اور ترقی کے لئے کام کرتا ہے کوئی عجیب یا فوق العادت کام معجزات وغیرہ قانون قدرت کے خلاف نہیں۔ بعض دفعہ ان اعلےٰ اور مخفی توانین کی ناواقفیت کے باعث ہم ایسا سمجھتے ہیں۔ جُوں جُوں ہم دعائیہ زندگی کے وسیلے سے روحانیت میں ترقی کرتے جاتے ہیں۔ تُوں تُوں ان پوشیدہ رازوں کا تعلق ہم پر روشن ہوتا جاتا ہے۔ اور ان مقرر شدہ اصول کے مطابق ہم برکات اور اُن کے بخشنے والے کو حاصل کرتے ہیں۔ جس سے ہماری رُوحوں کے تمام تقاضے ہمیشہ کے لئے پورے ہو جاتے ہیں۔

۱۳۔ بعض دفعہ بوقت خوف طیش اور خطرات یا دیوانگی کی حالت میں انسان کا جذبہ اور قوت ایک غیر معمولی درجہ تک بڑھ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ لوہے کی زنجیریں توڑ ڈالیں۔ یہ قوّت انسان کی اندرونی شخصیت میں مخفی ہے۔ اور طبیعت اور خیالات کے یکسو ہونے پر اس کا ظہور ایک زبردست فعل کی صورت میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ بعض شکاری جانوروں اور بلی کے سکڑے ہوئے ناخن بوقت خطرہ اور جوش باہر نکل آتے ہیں۔ اسی طرح مراقبہ کی حالت میں طبیعت یکسو ہونے سے انسان کی طاقت قدرت الٰہی کے ساتھ مل کر بدی اور شرارت کے تمام بندھنوں کو توڑ ڈالتی ہے۔

اور بڑے عظیم اور مفید کام انجام دینے کے لئے ایک نہایت کارآمد ذریعہ بن جاتی ہے۔ لیکن اس خداداد بخشش کا ناجایز استعمال مثل توپ کے گولا کے بربادی کا باعث بھی ہو جاتا ہے۔ اس واسطے خبردار رہیں۔ کہ ان خداداد قابلیت اور قواہ کو درستی سے اس کے جلال اور دوسروں کی بہتری اور بہبودی کے لئے استعمال میں لائیں اور یُوں اپنی زندگی کے مقصد کو پورا کر کے اور زیادہ برکات حاصل کرنے کے مستحق ٹھہریں۔

۱۴۔ جب ہم کسی خیال میں غرق ہوتے ہیں۔ تو گو ہمارے حواس خمسہ بیدار اور صحیح حالت میں ہوں۔ مگر کسی چیز کو خواہ کیسی ہی خوبصورت۔ خوشبودار۔ خوشگوار۔ مزیدار اور سریلی ہو مطلق خیال میں نہیں لاتے۔ گویا کہ وہ وجود ہی نہیں رکھتیں۔ اگر ایسی حالت یادِ الٰہی میں طاری ہو جائے تو مبارک ہے۔ مگر افسوس ہے کہ حالت برعکس نظر آتی ہے۔ لوگ دُنیاوی معاملات میں ایسے غرقاب ہیں کہ روحانی حقایق سے جو روز روشن کی طرح صاف ظاہر ہیں بالکل ناآشنا اور بےخبر رہتے ہیں۔ گویا دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے اور سنتے ہوئے نہیں سنتے۔ وہ اُن اشخاص کی مانند ہیں جنہوں نے اماؤس کو جاتے وقت خداوند کو دیکھ کر اور اُس کی باتیں سُن کر بھی اُس کو نہ پہچانا۔

۱۵۔ ایک روز تنہائی میں پھول کی خوبصورتی۔ بناوٹ اور خوشبو پر سوچ رہا تھا۔ اور جب ذرا توجہ کے ساتھ بغور دیکھا۔ تو خالق کو اُسکی دستکاری کے نہایت باریک پردہ میں مخفی اور خلقت کے کام میں مصروف پایا اور میری حیرت اور خوشی کی کوئی حد نہ رہی جب میں نے اُس کو خود اپنی رُوح میں موجود اور نجات بخش کام میں مشغول پایا۔ واہ تیری شان! تو

مخلوق سے علیحدہ مگر تو بھی جُدا نہیں +

۱۶- انبیا اور خدا رسیدہ اشخاص کو جا بجا پھر کر پیغام دینے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اگر سب کی اندرونی حالت اندرونی طور سے پیغام قبول کرنے کے قابل ہوتی۔ بہت کم ہیں جو اس درجہ تک ترقی کئے ہوتے ہیں۔ اور جو اس لائق نہیں ہیں اُن کے لئے وعظ و نصیحت ضروری ہے۔ دوسروں کے لئے جب رُوحانی آدمی دعا کرتا ہے تو پیغام بذریعہ ایک لطیف مادہ کے برقی لہر کی مانند تمام عالم میں پہنچ جاتا ہے۔ اور خدا اپنی پیدا کردہ طاقتوں کے وسیلے سے اسی طرح کام کرتا ہے جس طرح کہ آدمی جب بولتا ہے تو بذریعہ ہوا کے ذرات کے آواز مُنہ سے نکل کر دوسروں کے کان میں جا پہنچتی ہے۔ غرضیکہ نیک آدمی حالت گوشہ نشینی میں بھی دوسروں کو اتنا ہی فایدہ پہنچا سکتا ہے جتنا کہ خود حاضر ہو کر۔ اور صدا بھی پوشیدگی میں ہی رُوح انسانی میں نیک اور زندگی بخش اثر پیدا کرتا ہے۔ بشرطیکہ انسان کی اندرونی حالت ان اثرات کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو +

۱۷- بعض اوقات تعجب کے ساتھ یہ دیکھنے میں آیا۔ کہ درخت باوجود خشک جگہ میں ہونے کے جہاں پر بارش بھی بہت کم ہوتی ہے۔ خوب سرسبز ہیں۔ کھودنے سے معلوم ہُوا کہ اُن کی جڑیں نیچے پانی کے سوتے اور نہر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ جو کہ زمین میں جسم کے دوران خون کی طرح جا بجا موجود ہیں۔ وہاں پوشیدہ جڑیں پوشیدہ چشمہ سے پانی پی کر درخت کو ہرا بھرا اور زندہ رکھتی ہیں۔ ایسا ہی لوگ رُوحانی آدمی کی زندگی کو ہرا بھرا اور پھلدار دیکھ کر تعجب کرتے ہیں کہ ایسی خشک اور گناہ بھری دُنیا میں ایسی زندگی کیونکر ممکن ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ مرد دعا بذریعہ ایمان کی پوشیدہ جڑوں کے۔ پوشیدگی

میں چشمہ حیات سے ابدی زندگی حاصل کرتے ہیں +

۱۸- درخت کی جڑوں کے سِرے بہت حِس والے ہوتے ہیں۔ گویا ادنےٰ درجہ کے جانوروں کے دماغ کا سا کام دیتے ہیں۔ ان میں خوبی اور تمیز یہ ہے کہ جہاں سے نشوونما کے لئے غذا نہ ملے یا کوئی نقصان پہنچے تو جڑیں اس طرف سے ہٹ کر دوسری طرف کو گھوم جاتی ہیں جہاں پر سامان زندگی مل جائے۔ ایسا ہی زندہ ایمان کے وسیلہ سے اہل معرفت اور مردِ دُعا اندرونی تمیز اور احساس سے معلوم کر لیتے ہیں کہ کہاں اور کس میں سچائی ہے اور کہاں نفع و نقصان۔ خطرہ۔ زندگی اور سلامتی ہے۔ اور ہلاکت سے بچ کر خدا میں حیاتِ جاودانی حاصل کرتے ہیں +

۱۹- خداوند مسیح نے شاگردوں کی ہدایت کے لئے نہ تو خود کچھ لکھا اور نہ ہی لکھنے کے لئے کسی رسُول کو حکم دیا۔ کیونکہ اس کی باتیں "رُوح اور زندگی ہیں" جن کو وہ ایمانداروں کے دلوں اور رُوحوں میں لکھنے کو تھا نہ کہ مٹنے والے کاغذات پر۔ دویم وہ اور معلمین اور انبیاء کی طرح اپنے لوگوں سے جدا ہونے والا نہیں تھا۔ بلکہ "ہر روز اُن کے ساتھ" اور ان میں ہو کر کام کرنے کو تھا۔ جیسا کہ اب تک اپنے بندوں کے وسیلے سے کام کر رہا ہے اور اسی حضوری اور سچائی کی رُوح نے اس کے صعود کے بعد دنیا کو راہ نجات بتانے کے لئے اناجیل لکھنے کی تحریک اور ہدایت دی +

۲۰- جو شخص دعا میں خدا سے ہمکلام نہیں ہوتا وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔ وہ ایک سیدھائے ہوئے جانور سے بہت بہتر نہیں۔ بلکہ بعض حالتوں میں بدتر ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ذات کی اصلیت کو اور خالق و مخلوق کی نسبت اپنے رشتہ اور فرایض کو نہیں سمجھتا۔ لیکن مردِ دُعا خدا کی فرزندیت

کا حق حاصل کر کے اُس کی مانند بنتا جاتا ہے۔ جس نے اُس کو اپنی صورت پر بنایا۔ اور اپنی زندگی میں بذریعہ دعا ناممکن باتوں کو ممکن ہوتے ہوئے دیکھتا ہے جس طرح پانی کو آگ کو بجھانے والی شے ہے۔ مگر اُسی پانی میں آگ یعنے بجلی پیدا ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح دُعا سے وہ قوت پیدا ہوگی جس سے ہم اپنی تمام خدمات کو انجام دیکر بسلامت منزل مقصود کو پہنچ جائینگے +

۴- آیندہ زندگی

۱- آیندہ زندگی کا خیال کسی نہ کسی صورت میں ہر زمانہ اور ہر قوم کے لوگوں میں پایا گیا۔ اور کوئی خواہش بلا سبب اور مقصد کے نہیں ہے ہمیشہ زندہ رہنے کی خواہش کا ہونا بھی آیندہ زندگی اور بقا کا ایک ثبوت ہے مثلاً بھوک و پیاس کا ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی ایسی چیز بھی موجود ہے جو سیر و آسودہ کر سکتی ہے۔ اور بھوک کا صرف یہی مقصد نہیں کہ سیری حاصل کرے۔ مگر یہ محض ایک آواز یا آگاہی ہے کہ بذریعہ خوراک طاقت حاصل کر کے زندگی کو قایم رکھیں۔ اسی طرح سے رُوح کی پیاس و تمنا یہ تقاضا کرتی ہے کہ اس کو سیری اور خوشی حاصل ہو۔ تجربہ سے یہ ظاہر ہے کہ اس مادّی دُنیا میں رُوحانی ہستی کی سیری ناممکن ہے۔ اِس کو آسودگی صرف اُسی میں حاصل ہو سکتی ہے جس نے کہ رُوح کو اور اس میں خواہش کو پیدا کیا۔ اور اُس کے وصل میں اُس کو سیری حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ وہ خالق و قادر رُوح ازلی و ابدی ہے۔ لہذا رُوح انسانی کو علاوہ سیری و آسودگی کے بقا اور حیات ابدی بھی اس میں حاصل ہوگی +

۲- جب کہ بے جان ذرّاتِ مادی نیست نہیں ہو سکتے تو ذی جان ہستی جو کہ ان سے بہر صورت اعلےٰ و افضل ہے کیونکر نیست ہو سکتی ہے؟ اور جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ کوئی خواہش بلا مقصد نہیں۔ اور ہم جانتے کہ اس چھوٹی زندگی میں رُوح کی تمام خواہشات کے پورے ہونے کا امکان اور گنجایش نہیں لہذا رُوح تقاضا کرتی ہے کہ اِس کو مادی جسم سے آزاد ہونے کے بعد متوقع ملے جہاں اِن خواہشات کا مقصد بلا رُکاوٹ بر آئے۔ اور چونکہ خدا نے انسان کی ذات و سرشت میں اپنی مانند علم۔ ارادہ اور محبت وغیرہ صفات پیدا کی ہیں۔ لہذا قانونِ ہستی کے مطابق ایک ہستی اپنی مانند ہستی کی رفافت چاہتی ہے۔ اور یوں اُس کی صحبت اور رفاقت کا ملیں رُوح کی تمام مرادیں ہمیشہ کے لئے بر آئینگی اور ازلی و ابدی ہستی کے ساتھ اس کو بھی بقا اور ابدیت حاصل ہوگی +

۵- نئی پیدایش

۱- یہ تو تسلیم شدہ بات ہے کہ اولاد پر والدین کی زندگی۔ چال چلن اور عادات کا بہت کچھ اثر پڑتا ہے۔ اور علاوہ صحبت کے اثر کے گرد و نواح کے حالات واقعات اور جگہ کا بھی خصلت پر اثر ہوتا ہے۔ اس تجربہ کے مطابق خراب والدین کی اولاد جنکی ہمیشہ بُری صحبت میں رہنے سے بُری خصلت پختہ ہو گئی اور گرد و نواح کی تمام حالتیں بھی زندگی کے بہتر حالت میں تبدیل ہونے کے خلاف ہیں یہ ماننا پڑیگا کہ ان صورتوں میں انسان کا نیک ہونا ناممکن ہے۔ لیکن تجربہ سے یہ بات بارہا ثابت ہو چکی ہے۔ کہ ایسی حالت والے اشخاص کی زندگی بھی تبدیل ہوئی اور ہو رہی ہے۔ اور یہ ایک بڑا معجزہ ہے۔ اور اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی ایسی

زبردست غیبی طاقت موجود ہے جوکہ ان تمام پیچیدہ حالتوں اور گناہ کی سخت بیڑیوں سے آزاد کر دیتی ہے۔ اور بد انسان کو ایک نیا مخلوق اور فرشتہ سیرت بنا دیتی یعنی نئی پیدائش ہے۔ اور یہ غیبی طاقت روح القدس ہے جو کہ تائب اور مسیح پر ایمان لانے والوں کی زندگی میں نجات کا کام کرتی ہے ✦

۲۔ بہتیرے ایسے مجرم تبدیل ہوئے جن کو گورنمنٹ نے سخت سزائیں دیکر ہر طرح سے کوشش کی۔ مگر ان کی زندگی میں ذرہ بھی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ اور نہ ہی عزیزوں اور دوستوں کی محبت اور نصیحت وغیرہ کا کچھ اثر پڑا۔ گویا تمام ممکن وسائل ان کو سدھارنے کے لئے کام میں لائے گئے۔ مگر کوئی بھی کارگر نہ ہوا لیکن جب وہ مسیح کے پاس لائے گئے تو ان کی زندگی دفعتہً تبدیل ہو گئی۔ تب وہ جو خود غرض اور گناہ میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اپنی تبدیل شدہ زندگی دوسروں کی بہتری اور خدمت میں صرف کرنے لگے۔ پہلے وہ دوسروں کو مار ڈالتے تھے اور اب خود دوسروں کو بچانے کے لئے مرنے کو تیار رہیں۔ یہ ہے نئی پیدائش یا از سر نو پیدا ہونا۔ کیا یہ اس بات کا صریح ثبوت نہیں ہے۔ کہ فی الحقیقت مسیح نجات دہندہ ہے۔ اور ایسا حکیم حاذق ہے کہ ہر ایک کی مرض کو پہچان کر انہیں کامل شفا بخشتا ہے اور دل کی ضرورت اور آرزو سے کہیں بڑھ کر اطمینان۔ خوشی اور سیری بخشتا ہے۔ اب سوائے اس کے جو کہ دل کا خالق ہے اور کون ایسا کر سکتا ہے۔ اور کون ہے جو کہ گناہ سے شکستہ دل کو شفا اور زندگی بخش کر ہمیشہ کے لئے خدا کا فرزند بنا کر بہشت کا وارث بنا دے ✦

۶۔ محبّت

۱۔ محبت کا سرچشمہ خدا ہے۔ کشش ثقل روحانی محبت کا گویا عکس اور مادی ظہور ہے۔ جو نظام شمسی اور دیگر مخلوقات کو اس کی مناسب جگہ پر باترتیب رکھتی ہے۔ اور مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ لوہا ہے۔ مگر اس لئے کہ اس میں کشش کے اثر کو قبول کرنے کا مادہ موجود ہے ایسا ہی خداوند ان سب کو ابدی خوشی اور آرام کے لئے اوپر اپنے پاس کھینچ لیگا جن میں سچی توبہ کی طبیعت اور اس کی محبت کو دل میں قبول کرنیکا مادہ یا نیت موجود ہے ✦

۲۔ ماں کا بوسہ سے بچے کو پیار کرنا محبت کی ایک ظاہرا علامت ہے۔ اور اگر بچہ کسی خراب مہلک مرض میں مبتلا ہو۔ تو اگرچہ ماں بوسہ نہ لے پر اس کی محبت میں ذرہ بھی فرق نہ آئیگا۔ بلکہ ایسی نازک حالت میں ماں کی توجہ بچہ کی طرف اور بھی زیادہ ہوتی ہے۔ ایسا ہی بلکہ ماں سے بدرجہا بڑھ کر خدا اپنے فرزندوں کو پیار کرتا ہے۔ اور اگر وہ گناہ کی مہلک مرض میں مبتلا ہیں۔ اس کا پیار ہرگز کم نہیں ہوتا گو ظاہرا سلوک سے ایسا معلوم پڑے کہ اس نے بوسہ لینا چھوڑ دیا ہے ✦

خدا کی دیگر صفات کی طرح اس کا صبر بھی بے حد ہے۔ انسان کی طرح نہیں کہ چھوٹی کیتلی کے پانی کی طرح غصہ کی آگ سے فوراً جوش میں آکر ابل جائے ✦

۳۔ جب انسان کسی مخلوق کو پیار کرتا ہے اور دوسرا شخص بھی اس کو ویسا ہی پیار کرنے لگے تو رقیب کی برداشت نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک قسم کی جلن اور جھگڑا پیدا ہوتا ہے۔ لیکن جب یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ خدا کو پیار کرتے ہیں۔ تو جلن اور حسد پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ برعکس اس کے اگر خدا کو پیار نہ کریں تو جلن اور رنج

پیدا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کی بےحد محبت سب کے لئے کافی ہے۔ اور اس سے بجائے جھگڑے اور حسد کے باہمی میل و محبت پیدا ہوتی ہے مگر مخلوق کی محدود محبت دو کو خوش کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ اس لئے اس سے دو خداوندوں کی خدمت نہیں ہو سکتی +

۴۔ جب خداوند ہمارے اندر بسے گا تو ہمارا مزاج بھی ہر ایک بات میں اس کی مانند ہوتا جائیگا۔ نمک پانی میں گھل کر غائب ہو جاتا ہے۔ مگر پانی چکھنے سے اس کی موجودگی معلوم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح نادیدنی مسیح کی حضوری ہماری زندگی کو نمکین بنا دیگی جس سے سب جانیں گے کہ ہم اس کے شاگرد ہیں +

۷۔ خیالاتِ اور حواس

۱۔ خیالات ہمارے حواس پر محض بیرونی اشیاء کا اثر یا نتیجہ نہیں ہیں۔ اور نہ ہی یہ کہیں باہر سے آتے ہیں۔ مگر یہ ہماری ہستی کی قوّت متخیلہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ البتہ ترقی بیرونی حالات سے مل کر ہوتی ہے جیسا کہ پھول یا پھلدار پودہ اور پیڑ کے بیج میں اُگنے۔ بڑھنے اور پھل لانے کی قابلیت اور مادہ موجود ہے اگرچہ بیرونی حالات اور ہوا پانی۔ گرمی اور روشنی وغیرہ عناصر سے اس کو نشو و نما اور ترقی کرنے میں مدد ملتی ہے +

۲۔ حواس ظاہری سے ہم ظاہری دنیا کو معلوم کرتے ہیں۔ اور حواس باطنی سے اندرونی اور نادیدنی عالم کو محسوس اور معلوم کرتے ہیں۔ ہم کسی پوشیدہ اور آنکھ سے دور یا غائب چیز کی خوشبو اور بدبو کو تو معلوم کر سکتے ہیں مگر اس کی بناوٹ اور رنگت وغیرہ کا علم بغیر دیکھے نہیں ہو سکتا تاہم اس شے کی ہستی کا

ہستی کا انکار نہیں ہو سکتا۔ گو غلطی سے ایک چیز دوسری سمجھی جا سکتی ہے جس کی بُو تو دوسری کی مانند ہو مگر رنگت و بناوٹ بالکل مختلف ہو۔ اس سے زیادہ بھیدپیچیاں نادیدنی اور روحانی عالم میں پائی جاتی ہیں جو کہ مادی عالم کی بنسبت زیادہ لطیف اور اصلی ہے

کسی چیز کی نسبت خیال کا پیدا ہونا اس کی ہستی کا ثبوت ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہیں کہ اس شے کی ہستی کا عکس قوّت متخیلہ پر پڑتا ہے۔ اور خیالات اس طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ بغیر کسی شے کی موجودگی کے خوشبو اور خیال کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔ خیالات کا پیدا ہونا دو ہستیوں کا ثبوت دیتا ہے۔ اوّل اپنی ہستی کا جس سے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ دوئم ایک دوسری ہستی کا جسکی نسبت خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اور کامل ہستی کا عکس اور اثر نامعلوم طور پر ناکامل ہستی پر پڑتا رہتا ہے۔ اور کامل ہستی (خدا) کے وسیلے سے جو کل ہستیوں کی بنیاد اور چشمہ ہے۔ ہمیں بھی کاملیت اور کمالیت نصیب ہو گی +

۸۔ فلسفہ اور علمِ لدنّی

۱۔ علما نے مان لیا ہے کہ ایک طور سے فلسفہ نے صدیوں سے اب تک کچھ ترقّی نہیں کی۔ وہی پرانے معمّے اور مسئلے بار بار نئی صورت اور الفاظ میں دوہرائے جاتے ہیں۔ مثل تیلی کے بیل کے جو دن بھر کولھو کے گرد گھومتا رہا اور جب آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ سوائے چند فٹ کے گول دائرہ میں چکر لگانے کے ایک فرلانگ سفر بھی طے نہیں ہوا۔ البتہ ایک کام تو ضرور ہوا کہ کچھ تیل نکل آیا۔ ویسا ہی فلسفہ کے سینکڑوں برس کے سفر نے

اب تک اُسے منزلِ مقصود کو نہیں پہنچایا۔ اتنا تو ضرور کیا کہ جو مسودہ اِدھر اُدھر سے فلاسفروں کے ہاتھ آیا۔ اس کا کسی قدر عرق۔ تیل نکال کر کتابوں کی بوتلوں میں بند کر گئے۔ مگر یہ دماغ کی خشکی کو دُور کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اب اس سے آگے قدم اُٹھانا صرف علم لدنی اور ایمان کا کام ہے۔ کیونکہ ہمارا علم خواہ کیسا ہی وسیع ہو مگر آخر اُس کی ایک حد ہے۔ اور اس حد سے آگے ایمان کا علاقہ ہے +

۲۔ بعض فلسفی ایسے بھی گذرے ہیں کہ جب اُن کے علم کی پیاس نہ بجھی تو خود کشی کر بیٹھے۔ مثلاً سسلی کے فلسفی ایمپیڈوکلس نے اپنے آپ کو کوہ اٹینا کی آگ میں گرا دیا: تاکہ بغیر طبعی موت کے دیوتاؤں کی صحبت میں حاضر ہو کر اپنے علم کی پیاس کو بجھا وے۔ اور ایک نجومی جو مدّ و جذر کے بھید کو جو چاند کی کشش کے سبب سے ہے نہ سمجھ سکا تو سمندر میں ڈوب مرا۔ گویا بعض عقلمند ایسے عقلبند تھے۔ کہ وہ بجائے اس کے کہ خالق کو مخلوقات میں تلاش کر کے پائیں اور اپنی رُوح کی پیاس کو بجھائیں۔ وہ اُس کو اور اپنی جان کو مخلوقات میں کھو بیٹھے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ گو فلسفہ کا مقصد وحدت و حقیقت کا درشن کرانا ہے لیکن کوئی محض عقل اور فلسفہ سے حقیقت کو نہیں پا سکتا +

۳۔ اگر کوئی چاہے کہ وہ محض اپنے علم اور عقل سے حقیقت کو پائے تو یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ ایک چیز کو پورے طور پر جاننے کے لئے کل کائنات کا علم درکار ہے اس لئے کہ ایک چیز کا تعلق کسی نہ کسی صورت میں ہر ایک چیز سے ہے۔ اور اس چیز کی بابت سب کچھ جاننے کے لئے اس کے تمام تعلقات کا جاننا ضروری ہے۔ اور یہ محال ہے۔ پس یہاں حقیقت کے آگے سر خم کر کے بغیر ایمان لائے اس سے آگے بڑھنا دشوار ہے +

۴۔ اب ایسی حالت میں بغیر علم لدنی اور ایمان کے محض عقل یا فلسفہ سے حق کا درشن ممکن نہیں۔ علم لدنی یا انٹیوشن انسان میں خدا کی ایسی پیدا کردہ ایمان کی انگلی ہے کہ جس کا ذی حِس سِرا حقیقت کو مَس کرتے ہی اس کی ذات پاک کی موجودگی کو محسوس کر لیتا ہے۔ اور گو وہ اُس کا منطقانہ ثبوت نہ دے سکے۔ مگر اس کی اپنی تشفی کے لئے جو کہ بغیر حقیقت کے نہیں ہو سکتی اس میں کافی ثبوت پایا جاتا ہے جو کہ اٹل ہے۔ اور پھول کی نسبت بہت کچھ جاننے کے لئے بہت عرصہ لگتا ہے مگر اس کی خوشبو سونگھ کر لطف اُٹھانے میں مطلق دیر نہیں لگتی۔ بشرطیکہ قوّت شامہ میں کوئی نقص نہ ہو۔ بس یہی کیفیت انٹیوشن یا علم لدنی کی ہے +

۹۔ کاملیت

اسفالون قدرت کے مطابق ہر ایک مخلوق کی کامل ہونے کے لئے ترقی بتدریج ہونی چاہیئے۔ کیونکہ اس صورت میں مخلوق اس رُتبہ اور مقصد کے لئے تیار اور قابل ہو جاتی ہے۔ جس کے لئے وہ خلق ہوئی۔ ایک دم بڑھنے میں کمی اور کمزوری رہ جاتی ہے۔ جیسا کہ بیلینڈ کے جو قریباً چھ ہفتے میں تیار ہو جاتے ہیں۔ بدیں وجہ اُن میں غذا اور نشو و نما کے لئے وہ طاقت نہیں ہوتی جو کہ اس اناج میں ہے جو قریباً چھ ماہ میں پک کر تیار ہوتا ہے اور بانس جو ۱۲۰ فٹ تک ۳ فٹ روزانہ کے حساب سے بڑھ جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ کمزور اور بیچ میں سے کھوکھلے رہتے ہیں۔ پس آہستہ اور بتدریج ترقی کامل زندگی کے لئے لازمی ہے +

۲۔ یہ تو سچ ہے کہ حقیقی کاملیت صرف کامل نواحیت میں حاصل ہوگی

جہان کہ تمام ترقی کا سامان اور موافق حالات بلا رکاوٹ حسبِ ضرورت حاصل ہونگے۔ لیکن کامل نواحیت میں پہنچنے سے پیشتر ناکامل اور غیر موافق نواحیت بھی ترقی میں ایک خاص مدد دیتی ہے۔ کیونکہ اس میں کشمکش اور جدّ و جہد کرنی پڑتی ہے جس میں ہماری قابلیت اور قواءِ روحانی کو ترقی۔ لطافت اور پختگی حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ ریشم کے کیڑے کو خول کے اندر کی کشمکش مضبوط کر کے پرواز کرنے والی تتلی بننے کے لئے تیار کرتی ہے اور کمالیت وکامیابی حاصل کر کے یہ بھید بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ جو رکاوٹیں اور مشکلات سدِّ راہ معلوم ہوتی تھیں وہ حقیقت میں درپردہ کاملیت حاصل کرنے کے لئے وسیلہ۔ معاون اور مددگار تھیں +

۳۔ انسان کے اندر بے شمار ایسی قابلیتوں کے تخم موجود ہیں۔ جو کہ صرف آئندہ جہان میں نشو و نما پائینگے کیونکہ اس جہان میں ان کی ترقی کے لئے امکان اور گنجائش نہیں۔ اور نہ ہی وہ وسائل موجود ہیں۔ اور آئندہ جہان میں ان کی ضرورت کے مطابق اِرتقا ہوگا۔ البتہ اُس کا آغاز اس دُنیا میں ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بتانا قبل از وقت ہے کہ ہم آئندہ کیا کچھ ہونگے +

۴۔ انسان کو کامل آرام اور اطمینان ہرگز حاصل نہ ہوگا۔ جبتک کہ وہ خدا کی رفاقت میں کاملیت کے درجہ کو حاصل نہ کرلے۔ پانی اگر اونچی جگہ پر ہو تو نیچے کو بہتا ہے۔ اور نیچے ہو تو اوپر کو اُچھلتا ہے۔ اور بغیر اپنی سطح کو پہنچے حالت امن میں نہیں ہوتا۔ اسی طرح لازم ہے کہ انسان غرور کے غبارہ سے نیچے اُتر کر اور گِری ہوئی ادنےٰ حالت سے اوپر اُٹھ کر اپنی سطح ہستی پر پہنچے۔ تب امن و آرام حاصل ہوگا +

حقیقت ہر ایک کو اپنی قابلیت اور ترقی کے درجہ کے مطابق نظر آتی

ہے۔ اور کاملیت کا درجہ وہ ہوگا جب کہ حقیقت بعینہٖ ویسی دکھائی دیگی جیسی کہ وہ فی الحقیقت ہے +

۵۔ جبکہ روحانیت میں ایک خاص ترقی کئے بغیر شاگردوں کو موسیٰ اور ایلیاہ کی صحبت ایسی بھا گئی کہ ڈیرے بنا کر وہیں پہاڑ پر رہنے پر آمادہ ہو گئے۔ تو کاملیت کے درجہ کو پہنچکر آسمان میں کل مقدسین۔ فرشتگان اور خداوند کی صحبت کیا ہی شیریں اور ہمیشہ کے لئے پر لطف ہوگی +

۱۰۔ حقیقی ترقی اور کامیابی

۱۔ اگر ہم کسی مہذب یا ترقی یافتہ قوم کی ظاہری باتوں اور طرزِ زندگی کو اختیار کرلیں مگر اُن کی اِن مفید اصولی باتوں کو جن کے وسیلے سے اُنہوں نے تہذیب اور ترقی حاصل کی۔ اختیار نہ کریں۔ تو اس میں سراسر بربادی اور تباہی ہے۔ اسی طرح دنیاوی حکومت و گورنمنٹ جو کہ رُوحانی و آسمانی گورنمنٹ کی نقل اور عکس ہے۔ بجائے کامیابی اور ترقی کے تنزل اور بربادی کا باعث ہوگی۔ اگر اِس کے شرکا و ممبران کی زندگی میں خالق حکومت و راج نہ کرے۔ جو کہ کل انتظام اور تمام نیکی کا بانی اور مبدا ہے۔ اور بغیر اُس کے خواہ وہ کتنا ہی اصولِ اخلاق کے مطابق زندگی سُدھارنے کی کوشش کریں لیکن ناکامیاب رہینگے کیونکہ بغیر خالق کی حضوری و بھرپوری کے اخلاق بیجان اور مُردہ ہے +

۲۔ بغیر روحانیت کے دُنیاوی ترقی بھی گویا تنزل ہے کیونکہ نامکمل اور بے ثبات ہے۔ اور دوسروں کو نقصان پہنچائے بغیر حاصل نہیں ہوتی مثلاً دوڑ میں ایک کی جیت اور کامیابی دوسرے کی ہار اور ناکامیابی سے حاصل

ہوتی ہے۔ سوداگر اور بیوپاری وغیرہ بھی بغیر اپنے ہم پیشہ اور دوسروں کا کم و بیش نقصان کئے نفع حاصل نہیں کر سکتے۔ مگر روحانی عالم کی حالت اس کے برعکس ہے۔ ایک کی روحانی ترقی و کامیابی دوسروں کی ترقی اور کامیابی پر موقوف ہے۔ کیونکہ تجربہ اِس کا شاہد ہے کہ جب ایک دوسروں کی بہتری و بہبودی اور ترقی کے لئے کوشش کرتا ہے۔ تو اَوروں کی مدد میں خود اِس کی بھی مدد ہو جاتی ہے۔ اور یُوں ایک ہی بدن کے مختلف اعضاء کی طرح متفق ہو کر ایک دوسرے کی بھلائی اور ترقی کا باعث ہوتے ہیں۔ اور زندگی کا حقیقی لطف صحبت الٰہی میں ہمیشہ حاصل کرتے رہتے ہیں۔ اور اُن کی خوشی کو کوئی اُن سے چھین نہیں سکتا۔ یہ ہے حقیقی ترقی اور کامیابی +

۱۱۔ صلیب

۱۔ ہم خواہ چاہیں یا نہ چاہیں۔ مگر صلیب سے بچ نہیں سکتے۔ ایک تو دُنیا کی صلیب ہے اور دوسری مسیح کی۔ بظاہر مسیح کی صلیب بھاری معلوم ہوتی ہے اور دُنیا کی ہلکی۔ لیکن تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی صلیب زیادہ بھاری ہے اور انجام اُس کا غلامی کی موت ہے جیساکہ رومی سلطنت میں دستور تھا کہ غلام صلیب دیئے جاتے تھے۔ لیکن مسیح کی صلیب نے اُس کو جلالی حالت میں بدل دیا۔ کہاں تو صلیب بے عزتی اور موت کا نشان تھی اور کہاں اب فتح اور زندگی کا نشان ہے۔ اور جو صلیب بردار ہیں۔ اُنہیں اُس کے اُٹھانے میں ایک عجیب اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ گویا کہ صلیب اُن کو اُٹھاتی اور منزل مقصود کو پہنچاتی ہے۔ برعکس اس کے دُنیا کی صلیب دباتی اور ہلاکت کو پہنچاتی ہے۔ اب

بتائیے کہ آپ کونسی صلیب اُٹھانا چاہتے ہیں؟

۲۔ صلیب ہر ایک کی خدمت اور حالت کے مطابق کئی قسم کی ہے۔ گو اس میں بظاہر کانٹے اور کیل ہیں۔ مگر دربردہ پھل اور عجیب مٹھاس بھی ہے۔ مثل شہد کی مکھی کے جس میں اگرچہ کانٹا ہے مگر ساتھ ہی وہ شہد بھی پیدا کرتی ہے بس بے ضرر کانٹے کے خوف سے ایک بڑی نعمت سے محروم نہ رہیں +

۳۔ بے علم مسافر پہاڑوں کی چڑھائی اُترائی وغیرہ سے تنگ آکر شاید یہ کہے کہ خدا نے اِن کے بنانے میں غلطی کی۔ اگر یہ تمام میدان ہوتے و چلنے میں سہولیت ہوتی۔ لیکن جو فوائد انسان کو اُن سے حاصل ہوتے ہیں وہ اِن سب سے محروم رہتے۔ مثلاً بدن میں دوران خون کی طرح بغیر پہاڑوں کے پانی کا دَور اور بہاؤ نہ ہونے کی وجہ سے پانی سڑ جاتا اور دیگر بہت سے خراب اور مہلک نتائج پیدا ہوتے۔ اسی طرح صلیب میں جو بے شمار فایدے پوشیدہ ہیں وہ صرف صلیب برداروں کو ہی معلوم ہیں کہ وہ کیسی عظیم اور دائمی برکات ہیں +

۴۔ جنگ کے ایام میں ایک جگہ خندقیں کھودنے سے زرخیز کھیت برباد ہو گئے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد دیکھنے میں آیا کہ ان خندقوں میں خوبصورت پھول اور پھلدار پیڑوں نے اُس جگہ کو چمن بنا رکھا ہے۔ کیونکہ خندق کھودتے وقت زمین کے نیچے سے زرخیز مٹی اوپر نکل آئی جس کے طفیل سے یہ برباد شدہ کھیت ایک عمدہ باغ بن گیا۔ اسی طرح اگر جنگ روحانی میں بظاہر کچھ نقصان اور بربادی نظر آوے تو پست ہمت اور غمگین نہ ہوں۔ کیونکہ اس میں رُوح کی پوشیدہ طاقتیں نمودار ہو کر خدا کے جلال اور اپنی اور دوسروں کی بھلائی اور ترقی کے لئے دائمی پھل پیدا کریں گی +

۵۔ سٹنزرلینڈ کے ایک چرواہے نے اپنی ایک بھیڑ کی ٹانگ توڑ دی۔ چو

یہ بتائی کہ یہ نافرمان دوسری بھیڑوں کو خطرناک پہاڑیوں پر لے جاتی تھی۔ اور ٹانگ ٹوٹنے پر بھی جب گڈریا کھانے کے لئے پتیاں وغیرہ لے جاتا تھا۔ تو کاٹنے لگتی تھی۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد دُکھ و درد کی حالت میں کافی سبق سیکھ کر مالک کو پیار کرنے اور چاٹنے لگی۔ اور ایک اچھی فرمانبردار بھیڑ بن گئی۔ اسی طرح خدا اکثر دُکھ و تکلیف کے وسیلہ سے گمراہوں اور نافرمانوں کو راہِ راست پر لاتا ہے۔ کہ جس میں ان کی اور دوسروں کی سلامتی ہے ✦

۶۔ ہر ایک ٹھنڈی گیس روشنی کی کرنوں کو جذب کر لیتی ہے۔ مگر جب گرم ہوتی ہے تو ان کو روشنی کی صورت میں آگے پہنچاتی ہے۔ ایسا ہی جب ہم سست اور سرد ہوتے ہیں تو روشنی کو جذب کرتے اور تاریک رہتے ہیں لیکن جب رُوح القدس کی آگ اور صلیب اُٹھانے سے گرم ہوتے ہیں تو آفتاب صداقت کی شعاعوں اور نور سے خود منوّر ہو کر دوسروں کو روشنی پہنچاتے ہیں: تاکہ وہ تاریکی کے کاموں کو چھوڑ کر نور میں زندگی بسر کریں ✦

۷۔ ہیرا ایک نہایت قیمتی چیز ہے۔ لیکن اگر ایک خاص صورت میں اس کے مختلف پہلو کاٹے اور تراشے نہ جائیں تو اُس کی خوبصورتی اور خوبیاں ظاہر نہیں ہوتیں جو کہ آفتاب کی شعاعیں پڑنے سے خوبصورت جھلک اور طرح طرح کے رنگ پیدا کرتی ہیں۔ ویسا ہی صلیب ہماری رُوح کو اس سے ہر طرح کی غیر مفید باتیں تراش کر اس قابل بنا دیتی ہے کہ آفتاب صداقت کی کرنیں اُس پر پڑ کر اُسے جلالی اور خدا کی بادشاہت کے لئے ایک بیش بہا زیور بنا دیں

۱۲- آزادی اور فعل مختاری

۱۔ جبکہ ہم میں کسی اچھی یا بُری بات میں تمیز اور پسند کرنے کی قابلیت موجود ہے۔ تو اس کے یہی معنے ہیں کہ ہم اپنی ہستی کی حیثیت اور اقتدار کی حدود کے مطابق آزاد اور فعل مختار ہیں۔ ورنہ تمیز بے معنے اور بلا مقصد مانی جائیگی اور ہم آزاد اور فعل مختار ہیں۔ اس لئے نہیں کہ ہم اس فعل کے برعکس کر سکتے تھے۔ جو کہ اب کیا یا کر رہے ہیں۔ لیکن اس لئے کہ کیا اور کرتے ہیں ✦

اگر مجھ میں ایک من بوجھ اُٹھانے کی طاقت ہے۔ تو میں سارا یا اُس کا کچھ حصہ اُٹھانے یا نہ اُٹھانے کے لئے آزاد ہوں۔ لیکن اگر ایک من سے زیادہ ہو تو اس کو اُٹھانا میری طاقت کی حدود سے باہر ہے۔ لہٰذا اُس کو اُٹھانے کے فرض سے بھی آزاد ہوں۔ کیونکہ جس نے میرے فرایض کا بوجھ مجھ پر رکھا ہے وہ میرے اقتدار سے زیادہ مجھ سے طلب نہ کریگا۔ اور اگر جتنا میں کر سکتا ہوں اُس کو نہیں کرتا تو اس لاپرواہی اور کوتاہی کا نتیجہ بھگتنا پڑیگا۔ کیونکہ آزادی کا ناجائز استعمال ہوا ✦

۲۔ جرایم اور بدی مجرم کو سزا دینے سے دُنیا سے نہیں مِٹ سکتی۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو اب تک تمام قید خانے بند ہو گئے ہوتے۔ مگر باوجود اس قدر سخت سزاؤں اور بندشوں کے ذرہ فرق اور تبدیلی نظر نہیں آتی۔ اور نہ ہی ممکن ہے جب تک کہ فرداً فرداً ہر ایک اپنی آزاد مرضی سے بدی کو مٹانے کا مصمم ارادہ نہ کر لے یہ ایک کی دوسرے پر زبردستی کرنے سے نہیں ہو سکتا۔ اسی واسطے خدا چوری کرتے وقت چور کا ہاتھ نہیں پکڑتا اور جھوٹ بولنے والے کا مُنہ بند نہیں کرتا

کیونکہ وہ کسی کی آزادی یا فعل مختاری میں مخل نہیں ہوتا۔ اگر خدا ایسا کرے تو انسان صرف مشین یا کل کی طرح ہوگا۔ نہ تو وہ سچائی کی کچھ قدر کریگا اور نہ ہی اُسے اُس کے مطابق عمل کرنے سے کچھ خوشی اور تسلی حاصل ہوگی۔ جو کہ صرف آزادانہ فعل سے ممکن ہے +

۳۔ دُنیا جو کہ ایک طرح خدا سے باغی ہے۔ اُن کو جو اُس کے بند سے آزاد ہوکر مسیح کی پیروی کیا چاہتے ہیں۔ روکنے اور غلام بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر جب وہ بفضل خدا اس کے قبضہ اور قدرت کی حدود سے آگے بڑھکر اعلےٰ روحانی طبقہ میں جا داخل ہوتے ہیں تو پھر یہ خود اُن کی غلام بن جاتی ہے۔ کیونکہ وہ نادیدنی عالم میں اس قادر مطلق سے تعلق و رشتہ پیدا کر لیتے ہیں۔ جس کی قدرت نے اس کو خلق کیا اور تب بجائے قابض ہونے کے خود مقبوض ہو جاتی ہے۔ کیونکہ خدا اُن کو ہمیشہ کے لئے حقیقی آزادگی بخشتا ہے جو کہ آزادی اور محبت سے اُس کی مرضی اور خدمت بجالاتے ہیں +

۱۳۔ قوانینِ صحت

۱۔ قوانین صحت روحانی اور جسمانی گویا اصول صحت ہیں۔ قوانین بذات خود سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ ایک خاص مقصد و مدعا کو حاصل کرنے کے لئے مقررشدہ وسایل ہیں۔ مثلاً روپیہ سوائے اس کے اور کسی کام کا نہیں کہ وہ سامان خوشی اور زندگی حاصل کرنے کا ایک وسیلہ ہو +

روشنی۔ راگ۔ خوشبو۔ مٹھاس۔ سردی اور گرمی وغیرہ سے خوشی اور لطف تب ہی حاصل ہو سکتا ہے جبکہ وہ ایک اعتدال کے ساتھ ہوں۔ کم ہونا نقص ہے اور زیادہ میں نقصان ہے۔ اور خدا نے ہم میں حواس ظاہری و باطنی اس لئے پیدا کئے ہیں کہ ہم کو نفع اور نقصان۔ تکلیف اور آرام سے آگاہ کرتے رہیں۔ دُکھ اور درد کا ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ نظام جسمانی یا روحانی میں کچھ خلل ہے۔ اور خوشی و آرام اصولِ حقیقت کی تابعداری اور موافقت سے پیدا ہوتے ہیں۔

۲۔ نیچر ہمارے خلاف ہے۔ اگر ہم اس کے خلاف چلتے ہیں۔ لیکن اگر ہم کوشش کرکے اس سے مطابقت اور موافقت پیدا کرلیں تو یہ بجائے مخالفت کے ہماری امداد کریگی۔ تاکہ اس مقصد اور مرتبہ کو حاصل کریں۔ جو کہ خالق کا ہمارے لئے بوسیلہ اس کی پیدا کردہ نیچر کے بتدریج ترقی کرنے سے ہے۔ اور وہ اعلےٰ اور کاملیت کا رُتبہ حاصل کرکے کامل صحت اور دایمی خوشی حاصل ہوگی۔ جو کہ ہماری رُوح کا خاص مقصد اور تقاضا ہے +

۱۴۔ ضمیر

۱۔ ضمیر انسان کے اندر اخلاقی قانون یا قابلیت اور روحانی حِس ہے۔ اور سوائے اس کے زندہ تخم کے یہ جبلی نہیں ہے۔ اس کی ترقی کے لئے تعلیم و تربیت عادت اور عمل کا ہونا ضروری امر ہے۔ اور گردنواح کے حالات اور واقعات کا اس پر بہت اثر پڑتا ہے +

جیسے کہ خوبصورتی اور بدصورتی میں تمیز کرنے کی قابلیت ہم میں موجود ہے ویسے ہی نیکی اور بدی۔ اچھی اور بُری باتوں کو معلوم کرنے کے لئے ضمیر ہے +

۳۔ کسی عضو میں درد کا ہونا اس بات کے لئے پکار ہے۔ کہ اس کو خطرہ سے بچاؤ۔ کیونکہ درد کسی صدمہ کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح رُوح کا درد اور بےچینی کسی گناہ کے صدمہ کا نتیجہ ہے۔ اور بدن کی قوّت لامسہ کی مانند ضمیر آگاہ کرتی ہے کہ اُسے بربادی اور ہلاکت کے خطرہ سے بچانے کی اور نجات کی فکر اور تدبیر کرو +

۴۔ جو کشتیاں اور جہاز زمین کے نزدیک ہیں وہ لائیٹ ہاؤس اور چٹان وغیرہ سے جگہ کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ کہ کہاں اور کس طرف سفر کر رہے ہیں لیکن جو جہاز گہرے سمندر میں دُور دراز کا سفر کرتے ہیں اُن کی رہنمائی کمپاس اور ستاروں سے ہوتی ہے۔ اسی طرح ہمیں اس جہاں کے روحانی سفر میں ضمیر اور رُوح القدس کی ہدایت کی اشد ضرورت ہے۔ تاکہ خطرات اور گمراہی سے بچ کر بسلامت منزلِ مقصود پر جا پہنچیں +

۱۵۔ خدا کی پرستش

۱۔ دُنیا میں ایسے شخص بہت مشکل سے ملیں گے جو کہ کسی نہ کسی طاقت یا شے کی پرستش نہ کرتے ہوں۔ اگر بعض فلسفی اور سائنسدان خدا کو نہ مانیں تو بھی اُنہیں ایک طور سے بزرگ اور بہادر اشخاص کی پرستش کرتے پائینگے۔ بدھ نے لوگوں کو خدا کی نسبت کچھ تعلیم نہیں دی۔ تو اُس کے پیرو اسی کی پرستش کرنے لگ گئے۔ چین میں خدا کی بابت تعلیم نہ ملنے کی وجہ سے باپ دادوں کی رُوحوں کی پرستش ہونے لگی۔ اور ایسا ہی ناخواندہ اور جنگلی لوگوں کو کسی نہ کسی صورت میں کسی شے کی پوجا کرتے پائینگے۔ غرضیکہ انسان بغیر عبادت اور پرستش کئے

رہ نہیں سکتا۔ یہ پرستش کا مادہ اور خواہش خدا نے انسان کی سرشت اور ذہنیت میں اپنی عبادت اور پرستش کے لئے پیدا کیا ہے جس سے انسان ہرگز گریز نہیں کر سکتا +

۲۔ جو اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے خدا کی ہستی اور عبادت کا قائل نہیں۔ تو وہ علاوہ مخلوقات میں اس کی حکمت اور قدرت کے کافی اور پختہ اثبات کے اگر خدا کو دیکھ بھی لے تو بھی اس کی خدائی کا قائل نہ ہوگا۔ کیونکہ اس حالت میں اگر خدا اپنی خدائی کے ثبوت خدائی صورت میں دیگا تو وہ اسکی عقل۔ سائنس اور منطق سے کہیں اعلےٰ بلند و بالاتر ہونے کی وجہ سے اُس کی سمجھ میں نہیں آئینگے۔ لہذا وہ اُس کے لئے قابلِ اعتبار نہ ہونگے۔ اور اگر خدا انسانی طور و طریق کے مطابق اپنی ہستی اور صفات کے ثبوت دیگا جو کہ بآسانی اُس کی سمجھ میں آ سکیں۔ تو وہ اُس کو محض اپنی مانند انسان یا ایک روحانی ہستی سمجھ کر اس کی خدائی و الوہیت کا منکر ہوگا +

۳۔ انسان کائنات کا ایک جزو اور آئینہ ہے۔ اس لئے دیدنی اور نادیدنی ہر دو عالم کی خلقت کا ایک حد تک اس کی شخصیت میں ظہور ہوتا ہے۔ اور کل مخلوقات میں صرف یہی ایک ایسی ہستی ہے جو کہ خلقت کی ترجمانی کرتی ہے۔ اس لئے وہ گویا فطرت کی زبان ہے +

انسان ایک محدود شخصیت ہونے کی وجہ سے اس کے حواس ظاہری و باطنی بھی محدود ہیں۔ بدیں وجہ وہ خالق کی مخلوقات کی کل صفات کو محسوس و معلوم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ان کو جاننے کے لئے بےشمار اور بےحد حواس کی ضرورت ہے۔ چند حواس صرف چند ایک صفات کو ہی معلوم کر سکتے ہیں۔ اور وہ بھی ادھورے طور پر۔ لیکن باوجود ان تمام مشکلات کے دل بھی ایک ایسی اٹل دلیل رکھتا ہے

کہ جس کی معقولیت کو دماغ نہیں سمجھ سکتا۔ آنکھ اگرچہ ذرہ سی شے ہے مگر دور تک کام کرتی ہے۔ اس کی رسائی وہاں تک ہے جہاں کہ انسان خود نہیں پہنچ سکتا۔ مثلاً ان ستاروں کو دیکھنا جو کروڑہا میل کے فاصلہ پر ہیں۔ ان کی رفتار اور اثرات کو معلوم کرنا اور چاند سورج کے داغ و دھبّوں اور گرہن وغیرہ کو معلوم کرنا آنکھ کا ہی کام ہے۔ اسی طرح دل کی رُوحانی آنکھ خدا کی گہری باتوں کو دیکھتی اور معلوم کر لیتی ہے۔ اور یہی نگاہ اور بینائی انسان کو خالق کی پرستش اور عبادت کے لئے مجبور کرتی اور اُکساتی رہتی ہے۔ اور وہ اسی میں کامل آرام اور حقیقی اطمینان ہمیشہ کے لئے حاصل کرتا ہے +

۱۶۔ تلاشِ حق

۱۔ مجوسی ستارہ کی رہنمائی سے دور دراز کا سفر کرتے ہوئے آفتابِ صداقت تک پہنچ گئے۔ کیونکہ جو ڈھونڈتا ہے سو پاتا ہے۔ مگر تعجب یہ ہے کہ یہودیوں نے بجائے قبول کرنے کے اس کو ردّ اور مصلوب کیا۔ دور دراز سے آ کر تو لوگ برکت حاصل کریں۔ لیکن گھر کے لوگ ان برکتوں سے محروم رہیں ایسا ہی اب بھی جو محض اُس کے نام سے کہلاتے ہیں مگر اپنے کاموں سے اُسے ردّ اور مصلوب کرتے ہیں بے شمار برکتوں اور زندگی سے محروم رہتے ہیں۔ لیکن تلاشِ حق جو اپنے ایمان کے ستارہ کی رہنمائی سے دور دراز کے سفر اور تجسس کی تکلیفات جھیلتے ہوئے بادشاہوں کے بادشاہ کو پا کر بڑی خوشی اور شکر گذاری کے ساتھ سجدہ کرتے اور سونا۔ لبان۔ مُر یعنے۔ تن من اور دھن اس کے قدموں میں نذر گذرانتے ہیں۔ اور اس سے برکات اور حیاتِ ابدی

حاصل کرتے ہیں۔ اور بعض متلاشی ایسے بھی ہیں جو کہ مجوسیوں کی طرح درشن کر کے ہمیشہ کے لئے غائب ہو جاتے ہیں۔ چونکہ وہ خداوند کی صحبت میں رہ کر زندگی بخش کلام سے اور عجیب کام دیکھنے اور صلیب و قیامت کی برکتوں سے محروم رہتے ہیں۔ لہٰذا ان کے پاس اس دُنیا کی نجات کے لئے کوئی پیغام نہیں ہے +

۲۔ "جس کے پاس ہے اُسے اور بھی دیا جائیگا۔ لیکن جس کے پاس کچھ نہیں اس سے وہ بھی لے لیا جائیگا جو اس کے پاس ہے۔" یعنے اُن سے حق اور ناحق میں فرق کرنے کی تمیز بھی لے لیجاتی ہے جو کہ دیانتداری کے ساتھ اس کا جائز استعمال نہیں کرتے۔ اور دیدہ و دانستہ سچائی کو ردّ کرتے ہیں۔ اُن کی ضمیر مُردہ پڑ جاتی ہے۔ اور پھر وہ راستی اور ناراستی میں بالکل تمیز نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ رُوح القدس کے خلاف گناہ ہے جس کی معافی نہیں ہو سکتی +

۳۔ بعض کی تمیز یہاں تک مُردہ پڑ گئی۔ کہ جب اُن کی عقل اور باریک اوزار زندگی کے آغاز کا پتہ اس زمین پر نہ لگا سکے تو وہ بجائے سرچشمہ زندگی خدا کو ماننے کے یہ کہنے لگے کہ زندگی کے تخم کسی شہاب یا تاروں میں سے گر کر زمین پر پیدا ہو گئے جو کہ بالکل ناممکن بات ہے۔ اس لئے کہ جب اس زمین کے مُردہ مادہ سے زندگی پیدا نہ ہوئی۔ تو ثوابت میں کیونکر ممکن ہے جبکہ ان میں بھی ویسا ہی مادہ موجود ہے جیسا کہ اس دُنیا میں؟ اور اگر یہ کہیں کہ ان تاروں میں کچھ اور قسم کا ہے جو کہ زمین سے مختلف ہے۔ تو وہاں کے تخم زندگی اس کے حالات ناموافق اور مادہ مختلف ہونے کے سبب سے پیدا ہونا بھی ناممکن امر ہے۔ حق تو یہ ہے کہ جہاں خدا کی حضوری ہے وہاں زندگی ہے۔ پانی خواہ برف کی مانند سرد اور منجمد ہو یا آگ کی طرح گرم۔ پر اس میں جاندار مخلوق موجود پائینگے یہ اُسی زندگی کے سرچشمہ کا کام ہے جو کہ ہر جا حاضر و ناظر ہے۔ نیست سے ہست کرنا اور بے جان میں زندگی ڈالنا اُس کی

تقادرِ زندگی کا فعل ہے ۔

۴۔ راستی اور سچائی اس کے پھلوں سے معلوم ہوتی ہے۔ اور عامل اس کے مطابق عمل کرنے سے خود پہلا پھل کھا کر حظ اٹھاتا ہے۔ اور اس کا انجام ہمیشہ اچھا ہے۔ اور سچائی کا ثبوت یہ ہے کہ وہ رُوح کے تقاضے کو پورا کرتی ہے۔ انسان خواہ کیسی ہی گری ہوئی اور گناہ آلودہ حالت میں مبتلا ہو۔ مگر پھر بھی سچائی کو پسند کرتا اور چاہتا ہے۔ مثلاً ایک بدمعاش اور جھوٹے آدمی کو لو۔ وہ خود چاہے کیسا ہی جھوٹا ہو۔ لیکن دوسروں کے جھوٹ کو پسند نہیں کرتا ہے۔ اور یہی چاہتا ہے کہ لوگ اُس سے ہمیشہ سچ بولیں اور خود خواہ کیسا ہی بے انصاف ہو مگر دوسروں کی بے انصافی دیکھ کر غصہ اور غضب سے بھر جاتا ہے۔ گویا مطلب یہ ہے۔ کہ اس میں سچائی کے لئے خواہش اور قدر موجود ہے۔ کیونکہ سچائی یا حق نے اُسے خلق کیا ہے تاکہ وہ سچائی میں اور سچائی کے لئے زندگی بسر کرے اور اس میں ہمیشہ خوش رہے۔ اور اگر وہ اس کے خلاف چلیگا۔ تو بوجہ اپنی ذات اور خصلت کے برعکس اور خلاف کرنے کے یقیناً دُکھ اور عذاب میں پڑیگا ۔

۵۔ سچائی کے بے شمار پہلو ہیں۔ اور ہر ایک شخص اپنی طبیعت اور خداداد قابلیت کے مطابق اس کے مختلف پہلو پر روشنی ڈالتا یا اُسے ظاہر کرتا ہے۔ گو ظاہراً ایک دوسرے سے اختلاف معلوم ہو مگر حقیقتاً نہیں۔ مثلاً ایک درخت کی نسبت چند اشخاص اپنے اپنے مذاق اور طبیعت کے میلان کے مطابق کوئی پھول کی بابت اور کوئی پھل کی نسبت اور کوئی تنوں اور جڑوں کے بارہ میں بیان کریگا۔ اسی طرح فلسفی۔ سائنسدان۔ شاعر اور عارف وغیرہ اپنی اپنی حدود اور حلقہ میں اپنی اپنی استعداد کے مطابق سچائی کی تشریح اور تعریف کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک ہی شخص جامع العلوم ہو ۔

۶۔ کسی بات کا حق اور ناحق ہونا معلوم کرنے کے لئے اس کو ہر ایک پہلو سے دیکھنا چاہئے۔ ورنہ غلط فہمیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ مثلاً اگر ایک سیدھی لکڑی کے ایک سرا کو آنکھ کے نزدیک سامنے رکھکر ایک ہی آنکھ سے دیکھیں تو سوائے گولائی اور موٹائی کے اس کی لمبائی مطلق نظر نہیں آتی ۔

جو بدل و جان حق کو ڈھونڈ کر پاتا ہے۔ وہ بعدازاں یہ بھی معلوم کرتا ہے کہ پیشتر اس سے کہ اُس نے حق کو ڈھونڈا اور پایا۔ حق خود اس کو راہ راست پر لانے کے لئے ڈھونڈ رہا تھا اور اس کو اپنی رُوح کی تحریک اور محبت سے اپنی حضوری میں لاکر روحانی نعمتوں سے سیر و آسودہ کیا ۔

١٧۔ توبہ اور نجات

۱۔ اگرچہ گناہ سے سچی توبہ نجات کے لئے لازمی ہے۔ لیکن صرف توبہ کرنا گنہگار کو نہیں بچا سکتا۔ جب تک کہ معافی کے لئے خدا کا فضل شاملِ حال نہ ہو۔ فرض کرو کہ ایک شخص کے پتھر مارنے سے دوسرا شخص مر گیا۔ اب اس کی سچی توبہ کا یہی نتیجہ ہوگا کہ وہ آیندہ کبھی کسی کو پتھر سے نہ ماریگا۔ لیکن اس توبہ سے خون کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ اس فعل کا نتیجہ تائب کی طاقت سے باہر ہے۔ اب یہ صرف خدا کو اختیار ہے کہ وہ اُس کو معاف کردے۔ اور جو مر گیا اس کی رُوحانی کمی کو جسکے پورا ہونے کا امکان اس دُنیا میں تھا۔ اپنی قدرت کاملہ سے آیندہ جہان میں پورا کردے۔ اور یُوں ان دونوں کو نجات حاصل ہو ۔

۲۔ دراصل سزا اور جزا دینا خدا ہی کا کام ہے۔ کیونکہ وہ ہر ایک کی ضرورت اور حالت سے اور انجام سے واقف ہے۔ انسان کے سزا دینے سے اکثر سزا کا مدعا

پورا نہیں ہوتا۔ کیونکہ انسان دوسرے انسان کی اندرونی حالت سے واقف نہیں بعض شخص ایسے ہیں کہ ان کو سزا دینے سے بجائے فایدہ کے نقصان پہنچتا ہے اور معافی اُس کی زندگی کو تبدیل کرنے کے لئے ایک جادو کا اثر رکھتی ہے۔ اور بعض اس کے برعکس ایسے ہیں کہ جن کو معاف کرنا گویا اور زیادہ گناہ کرنے کا موقع دینا ہے۔ لہٰذا ایسوں کو سزا دینی ضروری بات ہے۔ لیکن ایسی سزا جو کہ اُن کی زندگی کو سُدھارنے کا وسیلہ ہو۔ اور ان دونوں قسم کے لوگوں کی حالت صرف خدا ہی کو معلوم ہے۔ اس لئے وہ اُن کی عین ضرورت اور حالت کے مطابق نہ کہ اُن کے گناہ کے اسباب اور نتائج سے نجات بخشتا ہے +

۳۔ حقیقی اور دائمی خوشی کو حاصل کرنا رُوح کا مدّعا ہے۔ اور جیسا کہ گناہ کر کے ناجائز وسیلوں سے خوشی حاصل کرنے کی کوشش کرنا رُوح کی اُن طاقتوں کی بربادی ہے جو کہ خوشی حاصل کر کے حظ اُٹھانے کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ ویسا ہی جائز طریقے سے خوشی کو حاصل نہ کرنا بھی اُن قابلیتوں کی بربادی ہے۔ اس لئے خدا جس نے محبت سے یہ طاقتیں اور احساس ہمارے اندر پیدا کئے ہیں چاہتا ہے کہ ہم اس کی رفاقت اور وصل سے یہ خوشی ہمیشہ اس میں حاصل کرتے رہیں اور یہی نجات کا مطلب ہے +

۴۔ غرور اس لئے گناہ ہے کہ مغرور اپنے آپ کو اپنی اصلی حالت سے زیادہ سمجھتا ہے۔ اور خدا کے فضل سے محروم ہو کر گناہوں میں گر کے اپنی رُوح کو برباد کرتا ہے۔ اور جھوٹ اس لئے گناہ ہے کہ یہ سچائی کے خلاف ہے۔ اور رفتہ رفتہ جھوٹ کا جھوٹ بولنے والے کی اپنی شخصیت پر بھی ایسا اثر پڑتا ہے کہ وہ خود اپنے آپ سے بھی یوں جھوٹ بولنے لگتا ہے کہ وہ خود اپنے ہی بیرونی اور اندرونی حواس پر شک کرنے لگتا ہے اور اپنی تمیز کو جھٹلاتا ہے۔ اور آخر خدا کی محبت

اور حضوری کی برکات پر بھی شک کر کے بیش بہا نعمتوں اور زندگی سے محروم رہتا ہے اور لالچ اس وجہ سے گناہ ہے کہ لالچی خالق کو چھوڑ کر مخلوق میں سیری اور آسودگی ڈھونڈتا ہے۔ اور زنا اس سبب سے گناہ ہے کہ زانی شخص خاندانی رشتہ، پاکیزگی اور زندگی کو برباد کرتا ہے۔ چوری اس لئے گناہ ہے کہ چور دوسرے کی کمائی اور خوشی کا سامان چھین کر گویا دوسرے کے نقصان میں اپنی خوشی چاہتا ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ ان اور باقی تمام گناہوں سے سچی توبہ کر کے نجات حاصل کریں۔ تاکہ خدا کی مرضی جیسی آسمان پر فرشتگان اور مقدسین کی زندگی میں پوری ہوتی ہے۔ ویسی ہی زمین پر ہر ایک کی زندگی میں پوری ہو۔ کیونکہ اسی میں ہماری سلامتی ہے +

۵۔ فلسفی اور سائینسدان تو مسئلہ ارتقاء کے مطابق انتخاب طبعی سے صرف مضبوط اور ہر طرح سے قابل جانداروں کا زندہ رہنا تسلیم کرتے ہیں لیکن ایک عجیب معجزہ تو یہ ہے کہ انتخاب الٰہی کمزور اور ناقابل گنہگاروں کو گری ہوئی مردہ حالت سے اٹھا کر تر و تازگی، خوشی، آرام اور ہمیشہ کی زندگی بخشتا ہے صدیوں کا تجربہ اور لاکھوں کروڑوں بلکہ بے شمار آدمیوں کی تبدیل شدہ زندگی اس بات کا صریح ثبوت ہے۔ یہ ہے نجات جو کہ تائب ایمانداروں کو خدا کے فضل اور محبت سے بوسیلہ خداوند مسیح حاصل ہوتی ہے +

۱۸۔ موروثی گناہ

۱۔ یہ ممکن ہے کہ والدین کے امراض اولاد میں بھی سرایت کر جائیں لیکن اگر بوجہ کسی مرض یا چوٹ کے کوئی عضو ہاتھ پاؤں یا آنکھ وغیرہ کٹ جائے

یا بیکار ہو جائے تو یہ لازمی نہیں ہے کہ اولاد بھی اندھی۔ بہری اور لنگڑی ہی پیدا ہو۔ ایسا ہی موروثی گناہ کا ہونا ممکن ہے۔ مگر اس کے اچھے یا بُرے نتائج سب موروثی نہیں ہیں۔ بہت سے اچھے اور بُرے نتائج خود اپنے افعال اور اعمال کا نتیجہ ہیں۔ جو کہ دیدہ و دانستہ کئے جاتے ہیں۔ ورنہ انسان اپنے کاموں کے لئے جواب دہ نہ ہوتا اور نہ ہی سزا کا سزاوار ٹھیرتا۔ اور لیاقت و قابلیت وغیرہ بھی ایک حد تک موروثی ہیں۔ لیکن ترقی کرنا بہت کچھ ذاتی یعنے خود اپنی کوشش پر موقوف ہے +

۲- تاریکی اور سایہ۔ روشنی اور کسی وجود کے درمیان کسی شے کے حائل ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً سورج اور چاند گرہن وغیرہ۔ اور جب ہم پر کسی وجود کا سایہ پڑتا ہے۔ تو وہ ہمارا ذاتی نہیں۔ مگر بیرونی وجوہات سے پیدا ہوتا ہے۔ جس کے لئے ہم ذمہ وار نہیں۔ مگر اس دائرہ میں ہونے کے باعث اس سے متاثر ضرور ہوتے ہیں۔ اور اگر مثل بادلوں کے جو زمین سے اُٹھکر اپنے اور سورج کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں۔ ہم اپنے کثیف خیالات کے بادلوں سے اپنے اور آفتاب صداقت کے درمیان سایہ اور تاریکی پیدا کریں تو اس کے لئے جواب دہ اور ذمہ وار ہم خود ہیں +

۳- گناہ سے اگرچہ مہلک نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ مگر یہ عارضی ہے۔ کیونکہ سوائے خدا کے یا جن کو وہ عطا فرمائے اور کسی کو ابدیت حاصل نہیں ہے اس لئے کہ اگر کوئی شے از خود ہمیشہ قایم رہے تو اس میں وہی صفات ہونی چاہئے جو کہ خدا میں ہیں۔ اور یہ ناممکن بلکہ محال ہے۔ اور خدا کی ہستی کل خلقت میں ایک اعلےٰ اور دائمی انتظام کے قایم رہنے کی گویا ضمانت یا گارنٹی ہے۔ اور کوئی شے یا حالت اس کی حضوری میں اس کی ذات کے خلاف ہمیشہ قایم

نہیں رہ سکتی اور نہ رہیگی۔ لہٰذا کل مخلوقات جو کہ اب دردِ زہ میں اور بطالت کے تحت میں ہے۔ ہمیشہ کے لئے مخلصی اور نجات حاصل کریگی +

۱۹- ویدانت اور ہمہ اوست

۱- ویدانت کے مطابق سوائے ایک برہم (خدا) کے اور سب کچھ مایہ ہے۔ اور روح انسانی بھی وہی ایک خدا ہے۔ مگر بوجہ لاعلمی کے خدا سے علیحدہ سمجھتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو گویا خدا بھی مایہ کے قبضے میں آگیا۔ اور اس صورت میں وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ مایہ سے آزاد اور علیم کل ہے۔ اور اگر روح انسانی سمادھی و دھیان وغیرہ کے وسیلے سے گیان حاصل کر کے مایہ سے آزاد ہو سکتی ہے تو اس کا ثبوت کیا ہے کہ خود گیانی اور اس کا گیان بھی مایہ نہیں ہے؟ +

۲- اگر اس مسئلہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ ماننا پڑیگا۔ کہ خدا بھی ارتقا کی حالت میں ہے جو کہ بذریعہ مایہ اور مادہ کے تغیر و تبدل میں ہو کر اپنی کسی کمی کو پورا کرنا اور کامل ہونا چاہتا ہے۔ ورنہ مایہ کی علت اولیٰ اور علت غائی کیا ہے؟ یعنی وہ کس فعل کا نتیجہ ہے۔ اور اس کا مقصد اور مدعا کیا ہے؟

حق تو یہ ہے کہ خدا ہر ایک شے میں ہے اور ہر ایک شے خدا میں ہے۔ مگر نہ ہر ایک شے خدا ہے اور نہ ہی خدا ہر ایک شے ہے۔ اور خالق کو مخلوقات میں مخلوط کرنا ان کا کام ہے جو کہ گمراہی کے بھنور میں مستغرق ہیں +

۲۰۔ حملوں سے محفوظ

۱۔ ایک قسم کی مکڑی شہد کی مکھی کو جب پھول میں رس چوسنے جاتی ہے تو بیشتر اس سے کہ مکھی اپنے ڈنگ سے دشمن کا مقابلہ کرے۔ مکڑی فوراً اپنے زہریلے ڈنگ سے مکھی کو بے حس اور سُن کر دیتی ہے اور مار کر کھا جاتی ہے۔ اسی طرح نہ صرف بُری جگہوں اور چیزوں میں بلکہ اچھی۔ مفید اور خوبصورت جگہوں اور اشیاء میں بھی اگر ہم ہوشیار اور بیدار نہ رہیں تو لقمۂ اجل ہو جانے کا خطرہ ہے کیونکہ شیطان ہمیشہ چھپکے گھات میں بیٹھا ہے۔ کہ موقعہ پا کر ہلاک کر دے +

۲۔ گناہ کے باعث ضمیر سُن اور بے حس ہو جاتی ہے۔ اور قوت ارادی دب کر ایسی بیکار ہو جاتی ہے کہ اگر خطرہ اور موت کو دیکھ کر بچنے کی خواہش بھی ہو تو بھی نہیں بچ سکتے۔ جیسا کہ ایک گِدھ نیاگرا میں تیرتی ہوئی لاش پر بیٹھ کر اُسے کھاتا جا رہا تھا اور جب آبشار کے نزدیک پہنچا تو موت کا خطرہ دیکھ کر اُڑنے لگا مگر بوجہ سخت سردی کے پاؤں لاش کیساتھ سُن اور منجمد ہو چکے تھے اور آخر آبشار میں ڈوب مرا +

۳۔ تمام خطرات اور دشمن کے حملوں سے بچنے کے لئے ضرور ہے کہ ہم خداوند کی صحبت و رفاقت میں رہ کر اس کی مانند بنتے جائیں۔ جیسا کہ بعض سرد اور برفانی جگہوں میں لومڑی۔ بھالو اور پرندوں کو نیچر یا قدرت رنگ بدلنے میں مدد دیتی ہے۔ وہ برف میں سفید اور سبز جگہوں میں سبز رنگ گرد و نواح کی حالت کے مطابق اختیار کر کے دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رہتے ہیں +

ایک قسم کی چیٹی مچھلی ہے جو کہ گرد و نواح کی چیزوں کو دیکھ کر فوراً ان چیزوں کی رنگت اختیار کر لیتی ہے۔ مگر اندھی مچھلی ایسا نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اس پاس کی

چیزوں کا رنگ دیکھے بغیر اس کی قوت ارادی رنگ اختیار کرنے میں مدد نہیں دیتی۔ اسی طرح ہمیں رُوحانی بینائی کی ضرورت ہے۔ تاکہ مسیح کے کامل نمونہ کو مدِ نظر رکھ کر اُس کی مانند بنتے جائیں اور تمام حملوں سے محفوظ رہ کر اس میں سلامتی اور حقیقی آرام کی زندگی بسر کریں +

۲۱۔ چھوٹے اور بڑے دشمن

۱۔ انسان کے دشمن اور ہلاک کرنے والے صرف بڑے جانور شیر، چیتے اور بھیڑیئے وغیرہ ہی نہیں مگر نہایت مہلک دشمن اکثر نہایت ہی چھوٹے کرم و کیڑے ہیں۔ جو کہ صرف خوردبین سے نظر آتے ہیں۔ اور غذا یا سانس کے وسیلہ سے بدن میں داخل ہو کر مہلک امراض پیدا کرتے ہیں۔ ایسا ہی صرف بڑے گناہ ہی انسان کی رُوح کو ہلاک نہیں کرتے۔ بلکہ بڑے اور چھوٹے گناہوں کے نہایت باریک زہریلے تخم یعنے پوشیدہ بُرے خیالات جانی دشمن اور ہلاک کرنے والے ہیں۔ اس لئے لازم ہے کہ ہم ایسے مضر خیالات کو شروع ہی میں دل و دماغ سے دور و دفع کرنے کی کوشش کریں۔ ورنہ وہ رفتہ رفتہ نشوونما پا کر اپنی اور دوسروں کی ہلاکت اور بربادی کا باعث ہونگے +

۲۔ اور ہمارے بدن میں صحت اور امراض کے نہایت باریک کرم موجود ہیں۔ اگر کسی مرض کے کیڑے یا جرم زیادہ بڑھ کر صحت کے کیڑوں پر غالب آ جاتے ہیں تو آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔ اور اگر کافی علاج نہ ہو تو مر جاتا ہے۔ اور اگر صحت کے جرم یا کیڑوں کی تعداد اور طاقت زیادہ ہو تو امراض کے کیڑوں پر غالب آ کر انہیں ہلاک کر کے انسان کی صحت اور تندرستی کا باعث ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے

نیک اور بد خیالات کی حالت ہے۔ اگر نیک خیالات بد خیالات پر غالب آکر ہمیں اُن کے مہلک اثر سے بچا کر نیک زندگی بسر کرنے میں مدد اور ترقی دیں تو حقیقی روحانی خوشی اور صحت حاصل ہوتی ہے۔ مگر یہ غلبہ بغیر خدا کی رُوح کی مدد اور تاثیر کے حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ وہی تمام نیکی۔ خوشی۔ صحت کامل اور ہمیشہ کی زندگی کا چشمہ ہے ۔

۳۔ بعض دفعہ انسان کے بُرے خیالات اُس پر اس قدر غلبہ پاتے ہیں کہ وہ خودکشی کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ وہ خودکشی اس وقت کرتا ہے جبکہ گویا اُس کی تمام امیدوں پر پانی پھر جاتا ہے۔ لیکن ایسی حالت میں بجائے خودکشی کے خدا سے مدد حاصل کر کے اُن بُرے خیالات کے تخم کو مارنا چاہئے جنہوں نے اُسکی امیدوں کو اور زندگی کی باقی قابلیتوں کو مُردہ کر رکھا ہے۔ اور بجائے خودکشی کے لئے زہر اور دیگر اوزار کام میں لانے کے بدی کی جڑ اور زہریلے تخم کو مارنے اور نیست و نابود کرنے کے لئے دعا وغیرہ روحانی ہتھیار استعمال میں لانے چاہئے۔ اور بجائے خودکشی کے خود کو بچا کر بعد ازاں دوسروں کو بچانے کی کوشش کریں۔ اور یوں ہمیشہ کی زندگی کے لئے پھل پیدا کریں ۔

۴۔ خود غرضی بھی ایک طرح سے خودکشی ہے کیونکہ خدا نے انسان کو چند ایسی قابلیتیں بخشی ہیں کہ اگر ہم ان کو دوسروں کی مدد اور فایدہ کے لئے کام میں لائیں۔ تو ایک عجیب خوشی اور مسرت حاصل ہوتی ہے۔ گویا کہ اس میں خود ہماری مدد ہوتی ہے۔ یہ ایک اندرونی شریعت کا اصول ہے اور دوسروں کی مدد نہ کرنے سے ہم اس خوشی سے محروم رہتے ہیں اور اپنے پڑوس کو اپنی مانند پیار نہ کر کے خدا کی نافرمانی کرنے سے خوشی سے جو کہ رُوح کی ایک غذا ہے محروم ہو کر رُوح کو فاقہ سے مارتے اور خودکشی کرتے ہیں۔ خود غرض سمجھتا ہے کہ وہ اپنے نفع کے لئے کام کر رہا ہے۔ لیکن در پردہ نامعلوم طور پر اپنے آپ کو سخت نقصان

پہنچاتا ہے۔ اگر ہر ایک شخص خود غرضی کو ترک کر دے تو ایک دم تمام جھگڑے اور فساد موقوف ہو جائینگے۔ اور یہ دنیا ایک بہشت بن جائیگی۔ چونکہ تمام گناہ خودی سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے خداوند نے خودی سے انکار کرنے کے لئے حکم دیا ۔

۵۔ اگر ہم ہمیشہ دوسروں کی نقطہ چینی کرتے اور اُن پر عیب لگاتے رہتے ہیں تو ہم اپنے آپ کو اور دوسروں کو سخت نقصان پہنچاتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اپنی تعریف چھوڑ کر خود اپنی نقطہ چینی کریں۔ تو اس سے ہماری اصلاح ہو گی۔ اور تب دوسروں کے لئے دل میں ہمدردی اور محبت پیدا ہو گی۔ اور اس صورت میں اُن کو اور ہمیں دونوں کو فایدہ پہنچیگا۔ اور اُس ملک موعود کے وارث ہونگے جہاں دائمی اور بے ریا محبت کی بادشاہت ہے ۔

۲۲۔ دنیا اصلی وطن نہیں ہے

۱۔ ایک فلاسفر نے اثنائے گفتگو میں بتایا کہ اس نے کل دنیا میں اس غرض سے سفر کیا کہ کہیں کوئی ایسی جگہ مل جائے۔ جہاں کامل آرام اور خوشی حاصل ہو برعکس اس کے ہر کہیں دکھ۔ مصیبت۔ رنج و غم۔ موت اور جدائی کو پایا۔ اب اپنے علم اور تجربہ سے اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ دُنیا اصلی وطن اور رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ وہ جگہ اور وطن حقیقی جس کے لئے دل میں ایک زبردست خواہش موجود ہے۔ وہ کہیں اور ہی ہے۔ جہاں پر رُوح کا اصل مدعا و مقصد بر آئیگا۔ بیشک خدا کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہم ہمیشہ اس دُنیا میں رہیں۔ یہ صرف عارضی طور پر جائے رہائش ہے یعنے ایک مسافر خانہ اور پردیس ہے۔ لیکن اصلی وطن بہشت یا آسمان ہے۔ جہاں خدا کی حضوری میں ابدی زندگی اور حقیقی خوشی ہمیشہ کیلئے حاصل ہوگی۔

۲۔ ایک دفعہ خلیج میکسیکو سے ایک پرندے کے بچہ کو پنجرے میں بند کر کے لے گئے۔ اور وہ بڑا ہو کر بغیر راستہ دیکھے اور بغیر کسی کی رہنمائی کے صرف عقلِ حیوانی (انسٹنگٹ) کی مدد سے ۸۵۰ میل کا سفر طے کر کے واپس اپنے وطن میں جا پہنچا ایسے ہی وہ انسان جس کی ضمیر اور روحانی تمیز بفضلِ خدا زندہ ہے۔ رُوح کی مدد و رہنمائی سے اس پردیس سے پرواز کر کے اپنے وطن آسمان میں جا پہنچیگا +

۳۔ ایک عالم شخص نے بلبل کے انڈے بیجا کر سرد ملک میں بچے نکلوائے۔ اس خیال سے کہ اگر ان کی پیدائش اور پرورش یہاں ہوگی تو وہ اس جگہ کو اپنا وطن سمجھ کر عمر بھر یہیں پر رہینگے۔ اور جب بچے انڈوں میں سے نکل آئے۔ تو موسم گرما وہاں رہ کر سردی کے ایام میں ایسے اڑے کہ پھر کبھی لوٹ کر وہاں نہ گئے۔ اسی طرح گو ہماری پیدائش اس دنیا میں ہوئی مگر اس دنیا کے لئے نہیں۔ اور جونہی اس جسم کو چھوڑنے کا وقت آئیگا۔ تو سرد جسم اور دنیا سے پرواز کر کے ہمیشہ کے لئے اپنے حقیقی وطن آسمان میں جا رہینگے +

۴۔ موت سے رُوح فوت نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی کسی دور دراز جگہ میں چلی جاتی ہے۔ موت گویا رُوح کا ایک نئی زندگی اور حالت میں منتقل و داخل ہونا ہے۔ جیسے بچہ شکمِ مادر سے نکل کر ایک نئی حالت میں آجاتا ہے۔ مگر دنیا اور جگہ وہی ہے۔ ایسے ہی رُوح بدن سے نکل کر ایک نئی اور بہتر حالت میں داخل ہو جاتی ہے۔ گو دنیا اور جگہ وہی ہے۔ اور فرق یہ ہے کہ بچہ شکمِ مادر میں اور رُوح جسم میں آئندہ کی نئی حالت اور زندگی سے ناواقف ہے۔ کیونکہ وہ آنکھ سے پوشیدہ ہے۔ اور بچے کا رحم سے اور رُوح کا جسم سے باہر آنا گذشتہ حالت کو آنکھ سے چھپا دیتا ہے۔ اور جیسا کہ بچہ ناف کاٹنے سے ماں کے جسم سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ ویسا ہی "چاندی کی ڈوری" یعنے رُوح کا بدن سے رشتہ

کٹنے سے رُوح جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔ اور شکمِ مادر اور جسم آئندہ زندگی کے لئے تیاری کی جگہ ہے۔ جہاں سے آزاد ہو کر رُوح خدا کی حضوری میں اپنی اصلی اور کامل حالت کو پہنچتی ہے +

۲۳۔ ایمان اور پاکیزگی

۱۔ بغیر ایمان کے دین اور دنیا کے کسی کام کا ہونا اور انجام پانا محال ہے۔ اگر ہم ایک دوسرے کی کسی بات کا یقین نہ کریں۔ تو دنیا میں جینا ہی ناممکن ہو جائے۔ اور جبکہ تمام کاروبار ایمان پر موقوف ہے۔ تو کیسی شرم اور افسوس کی بات ہے کہ جس خدا نے ایمان کا مادہ اور طبیعت ہم میں پیدا کی اُس پر ایمان نہ لائیں۔ اور اُس کی ہستی اور وعدوں پر شک کریں البتہ اگر ہمارا علم لامحدود ہوتا تو ایمان کی ضرورت نہ ہوتی۔ لیکن جب ہمارا علم اس قدر محدود ہے کہ گویا نہ ہونے کے برابر ہے۔ تو اس دنیا میں اور آئندہ جہان میں ہمیشہ ایمان کی ضرورت پڑیگی۔ اور بغیر اس کے حقیقی زندگی اور روحانی برکات کا ملنا ناممکن ہے +

ایمان رُوح کے دیگر جذبات محبت وغیرہ رُوح کی وہ گرفت کرنے والی ذی حس انگلی ہیں۔ جو کہ خدا کی حضوری کو محسوس کر کے اس میں تسلی اور تشفی حاصل کرتی ہیں اور مثل پھلدار بیل و پودوں کے اُن سوتوں اور مودیوں کے جو بغیر دیکھے سہارے اور مدد کے لئے دوسرے مضبوط درخت وغیرہ کو پکڑ کر اور اُن کے گرد لپٹ کر بڑھتی اور ترقی کرتی ہیں۔ اور بہت سا پھل پیدا کرنے کے لئے بیلوں کو سنبھال کر قائم رکھتی ہیں +

۴۔ اور بذریعہ ایمان ہم خدا کی رُوح یعنے آگ کا بپتسمہ پاتے ہیں۔ بغیر اس کے محض پانی کا بپتسمہ پاکیزگی اور نجات کے لئے کافی نہیں۔ جیسے سونے چاندی وغیرہ کی اوپر کی صفائی پانی سے ہو سکتی ہے۔ مگر پانی انکے اندرونی حصّوں میں نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے لئے آگ کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ہم کو رُوح القدس کی آگ کے بپتسمہ کی ضرورت ہے +

۲۴۔ مسیح کا ظہور

۱۔ بغیر رُوح القدس کے نزول اور حصول کے ہم خداوند مسیح کی عظمت اور الوہیّت کو نہیں سمجھتے۔ خواہ کتنا ہی اس کے پیرو ہونے کا دم بھریں۔ مثلاً رسولوں کی حالت پر غور کریں مچھلیاں پکڑنے والوں کو ادنےٰ کام سے ہٹا کر آدمیوں کو پکڑ کر راہ راست پر لانے کی اعلےٰ خدمت کے لئے بلایا۔ اور قریباً تین سال تک اُس کی صحبت میں رہ کر اور تعلیم پا کر کچھ عرصہ تک اس اعلےٰ خدمت کو انجام دیا۔ مگر جب مسیح مصلوب ہوا تو اُن کی تمام امیدیں بھی گویا مصلوب ہو کر قبر میں دفن ہو گئیں۔ پطرس نے اس کا انکار کر کے باقی شاگردوں کے ساتھ واپس جا کر اور اعلےٰ کام کو چھوڑ کر پھر وہی پرانا کام جھیل گلیل میں مچھلیاں پکڑنے کا اختیار کر لیا۔ جس کو تین سال پیشتر چھوڑ چکا تھا۔ اور جب مسیح مصلوب ہو کر نجات کے کام کو پورا کر کے جی اُٹھا اور جھیل کے کنارے شاگردوں پر ظاہر ہوا۔ تو پطرس نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً پانی میں کود پڑا۔ تاکہ اپنے آپ کو چھپائے۔ اوّل تو وہ اس بات کو یاد کر کے شرمندہ ہوا کہ اُس نے خداوند کا انکار کیا۔ اور دوم اس بات کو یاد کر کے کہ قریباً تین سال پیشتر اسی

جگہ پر خداوند نے ایک اعلےٰ اور عظیم خدمت کے لئے بلایا تھا۔ اور میں اب اسکو ترک کر کے پھر اسی پرانے اڈے پر آ موجود ہوا۔ اے پطرس تجھے ہوا کیا؟ خیر خواہ کچھ ہی ہوا۔ مگر اب خداوند کے زندہ ہونے پر تمام مُردہ امیدیں بھی زندہ ہو گئیں۔ اور اب وہ پھر پرانے کام کو ہمیشہ کے لئے ترک کر کے رُوحوں کو بچانے میں مصروف ہو گیا۔ کیونکہ اب مسیح کے زندہ ہونے سے اور رُوح القدس کے نازل ہونے سے خداوند کی عظمت اور الوہیّت کی حقیقت پطرس اور دوسرے شاگردوں پر روشن ہو گئی۔ اور وہ آخر تک وفاداری کے ساتھ اس اعلےٰ خدمت کو انجام دیکر اور تاج شہادت حاصل کر کے ہمیشہ کے لئے اپنے خداوند خدا کی بادشاہت میں جا شامل ہوئے جو بنائے عالم سے پیشتر خدا نے اپنے پیار کرنے والوں کے لئے تیار کر رکھی ہے +

آجکل بھی بہت سے ایسے اشخاص موجود ہیں جو کہ عرصہ تک ایک طور سے خداوند کی پیروی اور خدمت کرتے رہے۔ مگر اُس کی الوہیّت اور عظمت اپنے ذاتی تجربے سے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے پھر گمراہ ہو گئے۔ مسیح ان کے نزدیک ایک بڑا نیک اور کامل شخص تھا جو صلیب پر مارا گیا مگر زندہ نہیں ہوا۔ لہٰذا اُن کی اُمیدیں بھی مُردہ پڑ گئیں۔ کیونکہ اُن کو رُوح القدس کی بھرپوری حاصل نہیں ہوئی تھی۔ لیکن جو سچے دل سے تائب ہو کر اُس سے دعا کرتے ہیں۔ وہ پھر اپنی قدرت کے ساتھ ان پر ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ پولس رسول پر ظاہر ہوا تھا۔ اور تب وہ اس سے از سرِ نو تعلق پیدا کر کے اور رُوح القدس سے توفیق حاصل کر کے وفاداری سے اُس کی خدمت کو انجام دیتے ہیں +

۲۔ جبتک کہ خداوند کی رُوح اور اُس کی حضوری ہمیں حاصل نہ ہو۔ ہم اُس کی مانند حلیم اور فروتن نہیں بن سکتے۔ جس نے خدا ہو کر ہماری خاطر خادم

کی صورت اختیار کی۔ اور ہم اپنی اصلیت کو بھول کر بیجا فخر و غرور کو اپنے دل میں جگہ نہ دیں۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ گر کر برباد ہو جائیں۔ گو بنسبت عوام کے روحانیت میں ترقی حاصل کر لی ہو۔ یاد رکھو۔ ہیرا اور کوئلہ دونوں کاربن کے اجزا سے ہیں۔ گو مختلف حالات کے زیر اثر مختلف بناوٹ اور صورت اختیار کر لی۔ مگر اصلیت دونوں کی ایک ہی ہے۔ اور ہیرا باوجود بیش بہا اور قیمتی ہونے کے ایسا ہی جل کر خاک ہو سکتا ہے جیسا کہ کوئلہ پس جاگتے اور دُعا مانگتے رہو۔"

۳۔ پہاڑ کی چوٹی یا کسی بلندی پر سے نیچے کو دیکھ کر خوف پیدا ہوتا ہے مگر اوپر کو دیکھنے سے نہیں۔ اس لئے کہ کوئی اوپر کو نہیں گر سکتا۔ لیکن نیچے ہی گر کر چکنا چور ہونے کا خطرہ ہے۔ اور نیچے اُترنا آسان ہے۔ مگر اوپر چڑھنا بہت دشوار ہے۔ بس یہی حالت روحانی ترقی اور تنزل کی ہے۔ ہم کو چاہئے کہ ہمیشہ اوپر اپنے خداوند کو تاکتے رہیں۔ جس میں ہم ہر طرح کے خطرات سے بے خوف و خطر محفوظ رہ سکتے ہیں +

۲۵۔ وقت اور ابدیّت

۱۔ صرف وقت حقیقی ازلی و ابدی ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق حقیقت سے ہے۔ وقت محض عارضی اور سایہ ہے۔ زمانہ حال کو کچھ قیام نہیں یہ محض مستقبل کا ماضی میں گذر جانا ہے۔ اور مستقبل اور ماضی دونوں لاوجود ہیں۔ لہٰذا یہ وقت کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ علاوہ اس کے اگر وقت محض حقیقی ہوتا تو سونے اور جاگنے کے درمیان وقفہ کا کچھ اندازہ ہو سکتا۔ اور رنج و غم میں زیادہ اور

خوشی میں کم نہ معلوم پڑتا کیونکہ حقیقت تو ہر حالت اور صورت میں حقیقت ہے اور انسان میں وقت کے لئے نہیں۔ مگر اس ازلی و ابدی حقیقت کے لئے احساس موجود ہے جس کے لئے وہ خلق کیا گیا ہے +

سال۔ ماہ اور دن۔ گھنٹہ اور منٹ اور سیکنڈ وغیرہ در حقیقت اشیاء واقعات اور انقلابات ہیں جو کہ خلا میں اس وقت کو پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً کسی شے پر جو خلا میں ہے غور کیجئے۔ اس میں تبدیلی واقع ہونے سے وقت پیدا ہوتا ہے۔ تبدیل ہوتے وقت زمانہ حال اور ہو چکنے پر ماضی اور آیندہ پر مستقبل موقوف ہے۔ اگر یہ شے نہ ہوتی تو وقت بھی نہ ہوتا۔ اور یہ شے نہ ہوگی تو وقت بھی نہ ہوگا۔ اور شے کے تبدیل ہونے پر وقت بھی ماضی اور مستقبل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ برعکس اس کے حقیقت نہ تو خود تبدیل ہوتی ہے اور نہ ہی وقتِ حقیقی جس کا تعلق حقیقت سے ہے +

۲۔ کسی بات۔ خیال اور کام کو بار بار کرنے سے عادت اور پھر خصلت بن جاتی ہے۔ لہٰذا جو کچھ ہم خیال۔ قول اور فعل سے کرتے ہیں۔ پہلے خوب اُسکے نفع و نقصان پہ سوچ سمجھ کر کریں۔ اور اچھے اور مفید کام کرنے میں لاپرواہی اور کوتاہی نہ کریں۔ ورنہ وہ کام کرنے کی قابلیت بھی بیکار ہو کر مُردہ پڑ جائیگی۔ اور کام کرنا اور سُدھارنا بہت مشکل ہے۔ مگر بگاڑنا آسان ہے۔ درخت کو بونا اور نشو و نما کا سامان مہیا کر کے پورے قد کو پہنچانا مشکل ہے۔ مگر اس کو کاٹ ڈالنا آسان ہے۔ اور جب وہ ایک دفعہ سوکھ گیا یا مر گیا تو پھر اس کو زندہ کرنا ناممکن ہے۔ اور اگرچہ مکان و زمان یا وقت اور خلا بدل جائیں۔ گذر جائیں اور مٹ جائیں۔ لیکن جو کچھ ہم اس میں کر جائیں گے وہ ہرگز نہ مٹے گا۔ بلکہ ہمیشہ ابدیت میں قایم رہیگا +

"دُنیا اور اُس کی خواہش دونوں مٹتی جاتی ہیں۔ لیکن جو خدا کی مرضی پر چلتا ہے۔ وہ ابد تک قائم رہیگا" ۱ یوحنا ۲: ۱۷ +

تمام شد



SADHU SUNDAR SINGH.